انگریزوں سے جہاد حرام ہے۔ ابوالوھابیہ محمد حسین بٹالوی

حصہ اول

رسالہ

الاقتصاد فی مسایل الجہاد

جسکو

ابوسعید محمد حسین لاہوری ایڈیٹر رسالہ اشاعۃ السنۃ نے

تالیف کیا

انگریزوں سے جہاد حرام ہے۔ ابوالوھابیہ محمد حسین بٹالوی

مختلف فرقہ ہائے اہل اسلام کے خواص و عوام نے

پسند کیا

اور

پنجاب کے نامور و ہردلعزیز لفٹنٹ گورنر سر چارلس ایچیسن صاحب بہادر کے سی ایس آئی وغیرہ وغیرہ نے اپنے نام نامی سے اسکا

ڈیڈیکیٹ ہونا منظور فرمایا

اور

اسمین مسئلہ جہاد کی ایسی تحقیق و تشریح ہوئی ہے جسکی نظیر اسوقت تک کسی کتاب

مین جو اس باب مین تالیف و مطبوع ہو چکی ہین پائی نہین گئی

وکٹوریہ پریس مین چھپا

ناشر: مکتبہ الجمال چک ۱۱۲/۱۰-R تحصیل خانیوال۔ ڈاکخانہ جہانیاں منڈی ضلع ملتان

انگریزوں سے جہاد حرام ہے۔ ابوالوھابیہ محمد حسین بٹالوی

التماس

ناظرین با تمکین سے جو اصل اصول مسایل رسالہ "اقتصاد" کی نسبت بجواب استشہاد مندرجہ ضمیمہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۱ جلد ۲ مشتہرہ نومبر ۱۸۷۶ء توافق راے علم ظاہر فرما چکے ہیں اب اسکے تفصیلی مسایل اور اسکے دلایل کی نسبت اپنا توافق راے ظاہر کریں اور اپنے نام نامی بخط واضح پوری تفصیل مقام خطاب و عہدہ تحریر میں لاکر ہمارے پاس بھیجدیں ہم ان ناموں کو شمول رسالہ اقتصاد یا بذریعہ اشاعۃ السنۃ گورنمنٹ میں پیش کرینگے اور سلطنت انگلشیہ کی نسبت انکی وفاداری و اطاعت شعاری کو خوب شہرت دینگے

اور جنکو اس رسالہ کے کسی مسئلہ یا دلیل کی نسبت کوئی علمی یا مذہبی اعتراض ہو وہ اپنے اعتراض سے مؤلف کو آگاہ کریں ان کے اعتراض کا جواب جسطرح وہ چاہیں (خفیۃً خواہ علانیۃً) دیا جائیگا اور ان کے نام کا ہرگز کہیں ذکر نہ ہوگا۔

واللہ علی ذلک شہید وکفی باللہ شہیدا وکفی باللہ وکیلا

حصّہ اوّل

الاقتصاد فی مسایل الجہاد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الهادی من استهداه الواقی من اتقاه والصلوٰة والسلام

خدا کا شکر ہے جو طالبان ہدایت کو راہ دکھاتا ہے اور پرہیزگارون کو عذاب سے بچاتا ہے اور

علی رسوله الذی خصه بالحنیفیة السمحة من بین جمیع من نباه

اُنکے رسول پر اُنکی رحمت و سلام ہو جسکو اُنہنے اپنے تمام رسولون سے یکسو و آسان دین سے ممتاز

علی آله واصحابه الذین کمل الله بهم امر رشده وهداه ۔

فرمایا اور آپ کے آل و اصحاب پر جنکے ذریعہ سے خدا نے اپنے ارشاد و ہدایت کو کامل کیا ۔

امابعد یہ رسالہ الاقتصاد فی مسایل الجہاد مینے دو غرضین پیش نظر رکھکر تالیف کیا ہے ۔ اوّل یہ کہ ناواقف اہل اسلام جہاد کے متعلق مسایل و شروط اسلام سے واقف ہون اور اقوام غیر سے جنگ کرنے کو صرف اس نظر سے کہ وہ مخالف اسلام ہین شرعی جہاد سمجھکر اسمین شامل ہونے کو دین نہ سمجھ لین ۔ جبتک کہ اس جنگ مین اُن شرائط کا وجود جو شرعی جہاد کے لئے اسلام مین مقرر ہین ثابت

کرین اور اس تحقیق شرایط و علم مسایل کے ذریعہ سے وہ ہمیشہ بلوے و فساد سے بچے رہین نہ اپنے جان و مال کو بے موقع تلف کرین نہ اور لوگون کی ناحق خونریزی کرین۔ دوسری غرض یہ کہ اقوام غیر اور گورنمنٹ جنکے ظل حمایت مین اہل اسلام ہند آباد ہین اہل اسلام کی نسبت یہہ گمان نکرین کہ صرف مذہبی مخالفت کی نظر سے اقوام غیر کے ساتھ لڑنا اور اُن کے جان و مال سے تعرض کرنا اور لوگون کو جبراً مسلمان بنانا اور زور شمشیر سے اسلام پھیلانا ان کے مذہب اسلام کی ہدایت سے ہے ان دو تو غرضون کا نتیجہ یہہ ایک غرض ہے کہ حاکم و محکوم اور عام رعایا اور خاص اہل اسلام مین رابطہ اتحاد* پیدا ہو اور ملک مین ہمیشہ امن و امان قایم ہے +

یہ رسالہ مینے ۱۸۷۶ء مین تالیف کیا اور اسمین علماء اسلام کی رائین لینے اور اُن کا توافق رائے حاصل کرنے کے لئے لاہور سے عظیم آباد پٹنہ تک سفر کیا اور اکابر علماء مختلف فرقہاے اسلام کو یہ رسالہ حرف بحرف سُنا کر اُنکا توافق رائے حاصل کیا اور بعض بلاد ہندوستان و پنجاب مین (جہان راقم خود نہین جا سکا) اس رسالہ کی متعدد کاپیان بھیجکر ان بلاد کے اکابر علماء کا اتفاق رائے حاصل کیا پھر ۱۸۹۳ء مین اس رسالہ کے اصل اصول مسایل کو بضمن ضمیمہ نمبر ۱۱ جلد ۲ رسالہ اشاعۃ السنۃ بعنوان استشہاد عام لوگون مین شایع کیا اور اس مین عام اہل اسلام کو ان مسایل مین اپنی آرا ظاہر کرنے کا موقع دیا

---

* امور دنیا مین اتحاد۔ گو مذہب مین اختلاف ہو۔

جسپر بہت سے مواضع ہندوستان و پنجاب کے (جہان وہ ضمیمہ پہونچا) صدہا عوام و خواص نے اُن مسایل کی نسبت اپنا اتفاق راے ظاہر کیا اور اصل رسالہ ”اقتصاد“ کی طبع و اشاعت کی نسبت کمال شوق ظاہر فرمایا ان کے اس شوق کو بڑہانے اور عام ناواقفون کے خیال مین ان مسایل کی خوبی جمانے کی نظر سے مین اس رسالہ کی طبع و اشاعت کو معرض التوا مین ڈالتا گیا اس اثنا مین ان مسایل کا استحسان بخوبی ہوگیا اور برادران اہل اسلام کا شوق طبع رسالہ بھی اپنی حد کمال کو پہونچا اسلیے مین اب اس رسالہ کی اشاعت کو مناسب سمجھتا ہون -

قبل بیان شروط و مسایل جہاد ایک تمہید کا بیان ضروری ہے -

وہ تمہید یہ ہے

جہاد (جو اسلام و مسلمانون مین ایک رکن عظیم مانا جاتا ہے) دو قسم ہے ملکی و مذہبی ملکی* جہاد (جسکو ملکی لڑائی بھی کہا جاتا ہے) کے اصول و اغراض اہل اسلام کے نزدیک بھی وہی مقرر و مسلم ہین جو ہر ایک صاحب شوکت قوم یا ریاست یا سلطنت مین تسلیم کیے جاتے ہین یعنے اپنا (یا یون کہو کہ اپنی قوم کا)

---

* ملکی وہ جہاد ہے جس سے ملک گیری مقصود ہو - مذہب مخالفین سے اسکو کوئی تعلق نہو وہ مسلمانون پر بھی ویسا ہی کیا جاتا ہے جیسا کہ مخالفین اسلام سے - مذہبی جہاد وہ ہے جس مین مذہب اسلام کا تحفظ مد نظر ہو اور وہ ان لوگون سے کیا جاتا ہے جو مسلمانون کے مذہب مین دست اندازی کرین اور مسلمانون کو تکلیف دین +

بول بالا چاہنا اور دوسرون کو اپنے ماتحت کرنا اور اس ذریعہ سے عامہ خلایق مین حفظ و امن قایم کرنا اس جہاد (یا لڑائی) مین فریق مقابل کے مذہب کا ہرگز لحاظ نہین ہوتا جو لوگ ذی شوکت اہل اسلام کی اطاعت سے خارج ہون (مسلمان ہون خواہ اقوام غیر) اُن سے وہ لڑتے ہین چنانچہ عام اہل شوکت اپنے باغیون اور مخالفین سلطنت سے لڑتے ہین اور اپنی قومی جمعیت اور سلطنت قایم کرتے ہین اسی نظر سے اس جہاد کو ملکی لڑائی کہا جاتا ہے ۔

ان اصول کی تسلیم و عدم تسلیم مین مسلمانون اور اقوام غیر مین کچھ فرق نہین ہے ہان فرق ہے تو اسقدر ہے کہ اور لوگ ان اصول و اغراض کو دنیاوی سمجھتے ہین ۔ مسلمان اپنے اور امور دنیاوی (کھانے پینے خریدنے اور فروخت کرنے) کی طرح ان اصول کو بھی داخل دین اور موجب ثواب سمجھتے ہین اور ان کے مذہب مین ان اصول کے قائم رکھنے اور ان اغراض کے پورا کرنیکی بابت بھی ویسی ہی ہدایتین آچکی ہین جیسے کہ ان کے اور مذہبی اور دنیاوی امور کی بابت ہدایتین آچکی ہین +

مذہبی جہاد (یا لڑائی) کے اصول و اغراض حفظ و حمایت اسلام اور مدافعت ضرر مخالفین اسلام ہے یہ ان مخالفین اسلام سے کیا جاتا ہے جو مذہب اسلام کے مزاحم ہون مسلمانون کو مذہبی لحاظ سے ستادین انکی مذہبی آزادی مین دست اندازی کرین اس جہاد مین اپنے مذہب و اہل مذہب کے بچاؤ و محافظت کے علاوہ دوسرے

مذہب والون سے جابرانہ مزاحمت کرنا (کسیکو زبردستی مسلمان کرنا یا انکو پہلے مذہب کی سزا دینا مار ڈالنا یا لوٹ لینا) مد نظر و اصل مقصود نہین ہوتا۔

ان دونو قسم کے جہاد کے لئے مذہب اسلام مین ایسے شروط و مواقع مقرر ہین جنسے سر موے بھی تجاوز کرنے سے جہاد (ملکی ہو خواہ مذہبی) جہاد نہین رہتا بلکہ فتنہ و فساد کہلاتا ہے +

ہم اس مقام مین ملکی جہاد کے شروط و مسایل سے تعرض کرنا نہین چاہتے اور نہ اسکی چندان ضرورت دیکھتے ہین صرف مذہبی جہاد کے احکام و شرایط معہ ان کے نتایج کے بضمن چند مسائل بیان کرتے ہین۔ کیونکہ اسمین ناواقف مسلمان اکثر احکام اسلام کا خلاف کرتے ہین اور اسی مین ناواقف اقوام اصل اسلام و مسلمانون پر بدظنی کرتے ہین +

پہلا مسئلہ

مذہبی جہاد اصول مقاصد اور اصل مطالب خداوندی سے نہین ہے جو مخلوق کے پیدا کرنے اور انبیاء کے بھیجنے سے منظور الٰہی ہین بلکہ اصل مقصود پیدایش مخلوق و بعثت رسولون سے خدا کی عبادت و ذکر ہے جہاد صرف اس عبادت و ذکر کو قایم رکھنے کا ذریعہ ہے۔ حق تعالی نے فرمایا ہے مینے جنون اور آدمیون کو کسی کام کے لئے بجز اپنی عبادت کے پیدا نہین کیا

ومآخلقت الجن والانس الا

اور فرمایا کہ ان کو بجز اس کے کچھ

لیعبدون (ذاریات ع ۳) وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ (بنیۃ ع ۱) الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً ط (ملک ع ۱) وفسّر السنۃ ان افضل الاعمال و احبها الی الله العبادۃ والذکر فعن ابن مسعود رض قال سالت النبی صلے الله علیه وسلم ای الاعمال احب الی الله قال الصلوٰۃ لوقتها قلت ثم ای قال برّ الوالدین قلت ثم ای قال الجهاد فی سبیل الله رواه الشیخان (مشکوٰۃ ص ۳) وعن ابی الدرداء قال قال رسول الله صلعم الا انبئکم بخیر الاعمال وازکاها عند ملیککم

کچھ حکم نہیں ہوا کہ وہ خدا کی خالص عبادت کرین اور نماز قایم کرین اور زکوٰۃ دین *

اور فرمایا خدا نے تمکو اسلیے پیدا کیا اور مارتا ہے کہ تم مین سے نیکوکار معلوم ہون آنحضرت صلعم نے اسکی تفسیر مین فرمایا ہی کہ سب کامون سے افضل خدا کی عبادت و ذکر ہے - ابن مسعودؓ نے آپ سے پوچھا کہ خدا کو سب عملون سی زیادہ پیارا کونسا عمل ہے تو آپ نے فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر کہا پھر کون سا عمل آپ نے فرمایا ماباپ سے نیکی کرنا کہا اسکے بعد کونسا عمل آپ نے فرمایا خدا کی راہ مین جہاد* کرنا - ابو درداء نے روایت کیا ہی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مین تمکو سب عملون سی

---

* اس حدیث مین آنحضرت صلعم نے جہاد کو (جو بلا شروط مقررہ جائز ہی نہین) وقت پر نماز پڑھنے اور ماباپ کے ساتھ احسان کرنے سے کم رتبہ ٹھہرایا *

وارفعها فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذهب والفضة وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقهم ویضربوا اعناقکم قالوا بلی قال ذکر الله رواه مالک واحمد والترمذی (مشکوة صفحہ ١٩٠)

وعن ابی سعید الخدری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم سئل ای الاعمال افضل وارفع درجة عند الله یوم القیمة قال الذاکرون الله کثیرا والذاکرات قیل یا رسول الله ومن الغازی فی سبیل الله قال لو ضرب بسیفه فی الکفار والمشرکین حتی تنکسر ویختضب دما فان الذاکر لله افضل منه درجة رواه احمد والترمذی (مشکوة صفحہ ١٩٠)

بہتر اور خدا کے نزدیک پاکیزہ تر اور درجات مین سب سے برتر اور چاندی سونا خرچ کرنے اور دشمن سے* لڑ کر اسکی گردن کاٹنی اور اپنی کٹوانے سے بہتر نہ بتاؤن لوگون نے عرض کیا کیون نہین بتلائیے آپ نے فرمایا وہ خدا کا ذکر ہے ۔

ابو سعید خدری نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلعم سے کسی نے سب عملون سے افضل اور درجہ مین بالاتر عمل کا سوال کیا تو آپ نے ذکر کرنیوالون کا حال بیان فرمایا سایل نے پوچھا کہ وہ خدا کی راہ مین لڑنیوالون سے بھی بہتر ہے آپ نے فرمایا ہان اگرچہ لڑنے والا مشرکین پر تلوار توڑ دے* اور خون مین رنگا جائے تو بھی ذکر والا اس سے افضل ہے ۔

---

* ان ہی شرطے جو جہاد کے لئے مقرر ہین - بلا وجود شرایط کبھی جہاد شرعی نہین کہلاتا - اور نہ اسپر اجر کی امید ہے ۔

وعن معاذ قال قال رسول الله صلعم یا معاذ هل تدری ما حق الله علی عباده وما حق العباد علی الله قلت الله ورسوله اعلم قال حق الله علی العباد ان یعبدوه ولا یشرکوا به شیئا وحق العباد علی الله ان لا یعذب من لا یشرک به شیئا۔ رواه الشیخان۔ (مشکوٰة ص)

وعن ابی هریرة قال قال رسول الله صلعم من آمن بالله ورسوله واقام الصلوٰة وصام رمضان کان حقا علی الله ان یدخله الجنة جاهد فی سبیل الله او جلس فی ارضه التی ولد فیها قالوا افلا نبشر به الناس قال ان فی الجنة مائة درجة اعدها الله للمجاهدین الخ رواه البخاری۔ (مشکوٰة ص۳۳۱)

معاذؓ بن جبل سے آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ کیا تو جانتا ہے خدا کا حق بندون پر کیا ہے اور بندون کا حق خدا پر کیا ہے انہون نے عرض کیا کہ خدا اور رسولؐ خوب جانتے ہین آپ نے فرمایا خدا کا حق بندون پر یہ ہے کہ وہ اسکی عبادت کرین اور کسیکو اسکا شریک نہ بناوین اور بندون کا حق خدا پر یہہ ہے کہ پھر وہ انکو عذاب نکرے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی خدا اور رسول پر ایمان لایا اور نماز روزہ کو اُسنے ادا کیا اسکا خدا پر حق ہو چکا کہ اسے بہشت مین داخل کرے خواہ وہ خدا کی راہ مین لڑا ہو خواہ اسی جگہ بیٹھ رہا ہو جہان وہ پیدا ہوا لوگون نے عرض کیا کہ یہ خوشخبری ہم لوگون کو سُنا دین آپ نے فرمایا بہشت مین سو درجہ ہین جو مجاہدین کے لئے تیار ہین یعنے وہ جہاد کرین گے تو ان درجون کو پاوینگے۔

اس فقرۂ اخیر حدیث ابوہریرہ میں جو مجاہدین کے لئے بشارت وارد ہے ایسا ہی جو اور روایات میں جہاد پر اجر و ثواب اور ترک جہاد پر ناخوشی اور وعید عذاب وارد ہے ہمارے مسئلہ اول کے مخالف نہیں کیونکہ یہ اسی صورت میں ہے کہ عبادت و ذکر سے مسلمان روکے جائیں اور جہاد کی ضرورت آپڑے چنانچہ مسئلہ دوم میں اسکی خوب تشریح ہوگی ۔

نتیجہ مسئلہ اولے

اس مسئلہ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اسلام و ایمان کا کمال اور مسلمانوں کی نجات جہاد پر موقوف و منحصر نہیں مسلمانوں کو اگر دین سے روک نہو تو صرف عبادت سے ان کی نجات و کمال ایمان متصور ہے۔ لہذا اقوام غیر کا مسلمانوں کی نسبت یہ گمان کہ جو ان میں پکا اور مذہب کا سچا ہوگا وہ اپنے مخالفین مذہب سے جہاد کرنے کا ضرور ارادہ رکھتا ہوگا۔ محض غلط و بہتان ہے جو مذہب اسلام سے ناواقفی پر مبنی ہے ۔

دوسرا مسئلہ

مذہبی جہاد نہ اس غرض سے مشروع ہے کہ کافروں[*] کو دنیا میں کفر کی سزا دیں

---

[*] کافر بمعنی منکر ہے۔ اور یہ لفظ اس معنی کو نسبتی امر ایسا وسیع ہے کہ ہر ایک فرقہ کو جو اپنے ذاتی مذہب کے جس سے وہ منکر ہو کافر کہا جا سکتا ہے۔ حتی کہ مسلمان خود اپنے آپ کو دوسرے مذاہب کا کافر یعنی منکر کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم اور انکے اصحاب نے اپنے مخالفوں کو کہا ہو کہ ہم تمہارے کافر یعنی منکر ہیں کفرنا بکم ممتحنہ ع ۱ خدا نے فرمایا ہے جو طاغوت کا کافر ہو [illegible] فمن یکفر بالطاغوت [illegible]

اور نہ اس غرض سے ہے کہ ان کو جبراً مسلمان کرین اس جہاد سے غرض جو خدا و رسول کی کلام سے سمجھ مین آتی ہے یہ ہے کہ مسلمانون کو مخالفین مذہب کی مزاحمت* بیجا سے بچاوین اور خدا کی عبادت کا (جو مخلوق کی پیدائش اور رسولون کی بعثت سے مقصود خداوندی ہے) راستہ صاف کرین۔ اور اس راستہ سے روکنے والون کو راستہ سے ہٹا دین حق تعالی نے فرمایا ہے خدا کی راہ

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین

(بقرہ ع ۲۴ ۲)

مین ان لوگون سے لڑو جو تم سے لڑتے ہین اور اس سے آگے نہ بڑھو خدا حد سے بڑھنے والون کو دوست نہین رکھتا۔

قالوا ومالنا ان لا نقاتل فی سبیل اللہ وقد اخرجنا من دیارنا وابنائنا

(بقرہ ع ۲ ۳۲)

اور قوم شمویل سے نقل فرمایا ہے کہ انہون نے اپنے نبی کو کہا ہم خدا کی راہ مین کیون نہ لڑینگے

---

* ایسا ہی فتح القدیر حاشیہ ہدایہ مین کہا ہے کہ جہاد سے مقصود نہ صرف امتحان مکلفین ہے بلکہ

المقصود منہ (ای الجہاد) لیس مجرد ابتلاء المکلفین بل اعزاز الدین ودفع شر الکفار عن المومنین بدلیل قولہ تعالی وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ۔

(فتح القدیر صفحہ ۱۹۳ جلد ۲)

دین کو (یعنے اہل اسلام کو) عزت دینا اور مسلمانون کو کفار کی تکلیف سے روکنا اس سے مقصود ہے جیسے خدا تعالی کا یہ قول دلیل ہے کہ تم کفار (تکلیف دینے والون) سے لڑو تاکہ مسلمانون کو تکلیف نہ ہو اور دین سب ہی خدا کا ہو (یعنے اسکا کوئی مزاحم نہ ہے)

وما لكم لا تقاتلون في سبيل الله
والمستضعفين من الرجال والولدان
الذين يقولون ربنا اخرجنا من هذه
القرية الظالم اهلها (نساء ع ۱۰)

ودوا لو تكفرون كما كفروا فتكونون
سواءً فلا تتخذوا منهم اولياء حتى
يهاجروا في سبيل الله فان تولوا فخذوهم
واقتلوهم حيث وجدتموهم ولا تتخذوا
منهم وليًّا ولا نصيرًا الا الذين يصلون
الى قوم بينكم وبينهم ميثاق او جاؤكم
حصرت صدورهم ان يقاتلوكم او
يقاتلوا قومهم ولو شاء الله لسلطهم
عليكم فلقاتلوكم فان اعتزلوكم ولم
يقاتلوكم والقوا اليكم السلم فما جعل الله
لكم عليهم سبيلًا (نساء ع ۱۲)

الا تفعلوه تكن فتنة في الارض وفساد
كبير (انفال ع ۱۰)

جب ہم اپنے گھروں اور اولاد سے نکالے گئے ہیں اور مسلمانوں کو مخاطب ہو کر خود فرمایا کہ تمکو کیا ہوا ہے تم خدا کی راہ میں اور عاجز لوگوں اور بچوں کے لئے جو کہتے ہیں خدایا ہمکو اس ظالموں کی بستی سے نکال نہیں لڑتے

آور فرمایا کہ اور انکے اطراف کے کافر چاہتے ہیں تم بھی ویسے ہی کافر ہو جاؤ پس ایک جیسے ہو رہو۔ تم انکو دوست نہ بناؤ جبتک خدا کی راہ میں وطن نہ چھوڑیں یہ لوگ اگر تمہارے دشمن اور تمہاری دوستی سے منہ پھیریں تو انکو پکڑو اور جہاں پاؤ مارو مگر ان جو تمہارے عہد پیمان والوں سے جا ملیں یا سو تم سے اور تمہارے دشمنوں دونوں سے لڑنے کو پسند نہ کریں۔ خدا چاہتا تو انکو تم پر مسلط کرتا اور وہ تم سے لڑتے اب جو وہ تم سے کنارہ کرتے ہیں اور تم سے نہیں لڑتے اور صلح کا پیام دیتے ہیں تو خدا نے انپر تمکو لڑنیکا راستہ نہیں دیا اور فرمایا کہ تم ظالموں سے لڑو گے تو زمین میں سخت فساد پھیلیگا

ان الله يدافع عن الذين امنوا ان الله
لا يحب كل خوان كفور - اذن للذين
يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على
نصرهم لقدير ۝ الذين اخرجوا من
ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا
الله ولولا دفع الله الناس بعضهم
ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات
ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا ط
(الحج ع ۶)

والذين اذا اصابهم البغي هم ينتصرون
وجزاء سيئة سيئة مثلها فمن عفا
واصلح فاجره على الله انه لا يحب
الظالمين (شوری ع ۴)

اور فرمایا خدا مسلمانوں سے ایذا کو روکتا ہے
وہ ناشکر خائنوں کو پسند نہیں کرتا جن سے
ظالم لوگ لڑتے ہیں انکو مظلوم ہونیکے سبب
لڑنے کی اجازت ہے خدا انکی مدد پر قادر ہے
وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے ہیں
اسی بات کے سبب کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب
اللہ ہے۔ اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے
سے نہ بچاوے تو گرجے* (عیسائیوں کے چرچ)
یہودیوں کے عبادتخانے اور مسلمانوں کی
مسجدیں جنمیں خدا کا نام لیا جاتا ہے یہ سبھی
ڈھائی جاویں اور خدا ان نیک بندوں کی تعریف
میں فرمایا ہے جب انپر کوئی سرکشی کرتا ہے تو وہ انسے
بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اسکے برابر ہے سو جو معاف

---

* اس آیت سے صاف ثابت ہے کہ مذہبی جہاد سے نہ صرف مسلمانوں اور انکی مسجدوں کی حفاظت مقصود خداوندی ہے۔ بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں اور انکے عبادت خانوں کی حفاظت بھی مقصود خداوندی تھا اور اسی غرض سے [illegible] یہودیوں نے بھی نبی ہی جہاد کیا تھا۔ اور نبی بھی لڑائی اور تعلیم بیت المقدس میں ہوئی تھی انمیں عیسائی بھی جہادی تھے [illegible]

ینہٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی
الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان
تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب
المقسطین انما ینہٰکم اللہ عن الذین
قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم
وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم
ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظالمون ۔
(الممتحنہ ع ۲)

کرے اور سنوارے اسکا اجر خدا پر ہے خدا ظالمون سے خوش نہین ہے اور فرمایا خدا تمکو ان لوگون سے سلوک و احسان کرنے سے مانع نہین جو تم سے دین کے سبب نہین لڑے اور تم کو تمہارے گھرون سے نہین نکالا خدا انصاف والون سے خوش ہے تم کو انہی لوگون کے ساتھ سلوک اور دوستی سے خدا روکتا ہے جو تم سے دین کے سبب لڑتے ہین اور تمہارے دشمنون کو تم پر مدد دے چکے ہین جو ان کو دوست سمجھین گے وہ ظالم ہین ۔

ان آیات مین صاف صاف بیان ہوا ہے کہ یہہ جہاد اسی غرض سے شروع ہوا ہے کہ مسلمان آزادی سے خدا کی عبادت کرین اور ان کے مخالف انکو عبادت وغیرہ شعایر اسلام سے نہ روکین اور وہ انہی لوگون سے مخصوص ہے جو مسلمانون سے لڑین اور ان کے مذہب مین دست اندازی کرین ۔

اس امر کو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اور بھی تشریح سے بیان کیا ہے اور ان لوگون کو مذہبی جہاد و قتل سے مستثنے کر دیا ہے جنہے مسلمانون کے ساتھ لڑنے اور ان کے مذہب دست اندازی کرنے کا

اندیشہ نہیں ہے۔

ازانجملہ اقوام غیر کی مستورات ہین جو لڑائی مین شریک ومعاون ہون اور کسی کے مذہب سے تعرض نکرین۔

ازانجملہ ان کے بڈھے لوگ ہین جنکو لڑنے یا لڑانے سے بحث نہو۔

ازانجملہ جرچون کے گوشہ نشین لوگ جنکو اپنے ذکر وشغل سے مطلب ہو نکسی کے مذہب سے

ازانجملہ قلی لوگ جنکو اپنی مزدوری کی کام ہوتا ہے نہ کہ کفر یا اسلام سے

ازانجملہ وہ لڑکے جو لڑائی کے لائق نہین ہوتے باوجودیکہ وہ کفر کے عقاید رکھتے ہین چنانچہ حضرت رباح (یا رباح) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ایک لڑائی مین ایک عورت کو مقتول پایا تو یہ ارشاد فرمایا کہ یہہ تو لڑائی نکرتی تھے (یعنے اسکو کیون مارا) اس لڑائی مین کمان افسر خالد بن ولید تھے ان کو حکم دیدیا کہ نہ کسی عورت کو مارین نکسی عسیف کو ایسا ہی حضرت ابن عمر سے مروی ہے اور حضرت انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فعن الرباح بن الربیع قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فی غزوۃ فرای الناس مجتمعین علی شیء فبعث رجلاً فقال انظر ما اجتمع ھولاء فجاء فقال علی امرأۃ قتیل فقال ما کانت ھذہ قاتل قال وعلی المقدمۃ خالد بن الولید فبعث رجلا فقال قل لخالد لا

تقتلن امرأةً ولا عسيفاً (رواه ابوداؤد ص۳ ، وابن ماجه ص۲۱۱)

وعن ابن عمر قال وجدت امرأة مقتولة في بعض مغازي النبي صلى الله عليه وآله وسلم فنهى عن قتل النساء والصبيان (رواه البخاري ص۴۲۳ ومسلم ص۸۴ ج۲)

وعن انسؓ ان رسول الله صلعم قال انطلقوا بسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله ولا تقتلوا شيخاً فانياً ولا طفلاً صغيراً ولا امرأة الحديث (رواه ابوداؤد ص۳ ج۱) - وعن بريدة كان رسول الله صلعم اذا امر اميراً قال له لا تقتلوا وليداً الحديث (رواه مسلم ص۸۲ ج۲) وعن ابن عباس ان النبي صلعم قال لا تقتلوا الولدان ولا اصحاب الصوامع (رواه احمد كذا في الدراري وا لنيل) وقد منع رسول الله صلعم ومنع امته عن قتل

ارشاد فرمایا کہ نہ بہت بڈھے کو (یعنے جو لڑائی کے کام کا نہ رہا ہو) مارلو نہ لڑکے کو نہ عورت کو ایسا ہی ہر ایک کمان افسر کو حکم دیتے جب اسکو لڑائی میں بھیجتے چنانچہ بریدہ نے آپ سے روایت کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ بچوں کو مارو نہ ان لوگوں کو جو صومعوں (حجروں) میں بیٹھے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کسی قوم پر چڑھائی کرتے تو وقت صبح کے منتظر رہتے ۔ پھر جب وہاں سے اذان صبح کی آواز سنتے تو ان پر حملہ کرنے سے رک جاتے یہ حضرت انسؓ نے آنحضرت صلعم سے روایت کیا ہے اور حضرت عصام مزنی نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلعم انکو

احدًا من اهل قرية يرى فيها مسجد
او يسمع منها صوت اذان - فعن انس
ان النبي صلعم كان اذا غزى بنا قومًا
لم يكن يغير بنا حتى يصبح وينظر فان
سمع اذانًا كف عنهم الحديث رواه
البخاري صـ٨٦) وعن عصام المزني
قال بعثنا رسول الله صلى الله عليه و
الہ وسلم في سرية فقال اذا رأيتم
مسجدًا او سمعتم مؤذنًا فلا
تقتلوا احدًا - (رواه ابوداؤد صـ٣٥٣
والترمذي صـ٢١٣)

ایک لڑائی مین بھیجا تو ان کو بھی یہی ارشاد
کردیا کہ جہان تم کوئی مسجد دیکھو یا اذان
کی آواز سنو وہان کسی کو نہ مار ڈالیو
وہان کافر بھی بستے ہون تو ان کو نہ مارو
کیونکہ وہ مسلمانون کو مسجد بنانے اور
اذان کہنے سے مانع نہین تو بلحاظ
مذہب قتل کے مستحق نہین) -
ان اقوال نبوی سے مطلب آیات قرآن
کی جو ہمنے بیان کیا ہے خوب تشریح ہوئی
اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ مذہبی جہاد
مسلمانون سے مذہبی روک ٹوک ہٹانیکو
ہے نہ کافرون کو دنیا مین سے کفر ہٹانے کو - یہ ہوتا تو حکم قتل و جہاد لڑنے والے
کفار سے مخصوص نہوتا - سبھی کافرون (بڈھون - عورتون - قلیون - [illegible]
خانہ نشینون - مسجدون اور اذانون سے تعرض نہ کرنے والون) کو قتل کرنیکا
حکم ہوتا - علی الخصوص راہبون اور چرچ والون کو جو مذہب عیسائی کے لیڈر ہین -
اب رہا ثبوت اس امر کا کہ یہ جہاد کافرون کو جبرًا مسلمان بنانے اور زبردستی
دین اسلام پھیلانے کے لئے نہین ہے سو دلائل ذیل سے بخوبی ہوتا ہے

افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین (یونس ع ۱۰)
لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ (بقرہ ع ۳۴)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کیا تو لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا چاہتا ہے۔ اور فرمایا دین میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔

روی ابن جبیر عن ابن عباس قال كانت المرأة تكون مقلاة فتجعل على نفسها ان عاش لها ولدان تهوده فلما اجليت بنو النضير كان فيهم من ابناء الانصار فقالوا لا ندع ابناءنا فانزل الله عز وجل لا اكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي (رواه ابوداؤد) وزاد في المعالم فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قد خير اصحابكم فان اختاروكم فهم منكم وان اختاروهم فاجلوهم معهم وقال مجاهد كان الناس مسترضعين

حضرت انسؓ ان آیات کے بیان شان نزول میں فرمایا ہے کہ انصار میں کوئی عورت لاولد ہوتی تو وہ یہ منت مانتی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو میں اسکو یہودی بناؤں گی۔ پھر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی نضیر کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے اطراف مدینہ سے جلاوطن کرنا چاہا تھا تو ان بچوں کی نسبت یہودیوں اور انکے وارثوں انصار کا جھگڑا ہوا۔ انصار نے یہ دعوے کیا کہ یہ ہماری اولاد ہیں ہم ان کو جانے نہ دیں گے اسپر یہ آیات نازل ہوئیں یہ ابوداؤد کی روایت ہے تفسیر معالم میں کہا ہے

فی الیہود من الاوس فلما امر النبی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باجلاء
بنی النضیر قال الذین کانوا مسترضعین
فیہم لنذہبن معہم ولندینن بدینہم
فمنعوہم اہلوہم فنزلت لا اکراہ
فی الدین الخ (معالم صـ)

کہ اس موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان لوگوں کو اختیار ملگیا ہے یہ تمکو پسند کریں تو تم میں سے ہیں۔ یہودیوں کو پسند کریں تو انکے ساتھ یہ بھی جلاوطن ہوں۔

اس تفصیل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جبراً مسلمان کرنا خدا کو پسند نہیں ہے۔ یہ ہوتا تو جبر کا یہ عمدہ موقع تھا ان انصار کے لڑکوں کو اپنے پاس رکھ لیتے کا بظاہر خاصہ بہانہ تھا۔ ان مسایل کے شواہد آیندہ مسایل کے ضمن میں بھی آوینگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

نتائج مسئلہ دوم

مسئلہ دوم اور اسکے دلایل آیات واحادیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ
اقوام غیر کا مذہب اسلام کی نسبت یہ گمان کہ وہ صرف مذہبی ناگواری سے لڑنا
سکھاتا اور جبراً اپنی تسلیم واشاعت چاہتا ہے غلطی ہے اور ناواقفی پر مبنی
(۲) ایسا ہی بعض ناواقف مسلمانوں کا ہر ایک مخالف مذہب سے صرف
مخالفت مذہبی کی نظر سے لڑنا اور ان کے جان ومال سے تعرض کرنا واجب
کہ سرحدی ناواقف مسلمانوں کا دستور ہے) غلطی ہے اور ناواقفی پر مبنی
(۳) جو مخالفین اسلام کسی کے مذہب سے تعرض کرنا جایز نہ سمجھیں۔ اور بس

مرکو خواہ بمقتضاے دیانت خواہ بہدایت مذہب خواہ بحکم عقل واصول سلطنت بہت برا سمجھیں (جیسا کہ برٹش گورنمنٹ کا حال وچال ہے) اُنسے مذہبی جہاد کرنا ہرگز جائز نہین ٭

تیسرا مسئلہ

جس شہر یا ملک مین مسلمانون کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی حاصل ہو وہ شہر یا ملک دارالحرب نہین کہلاتا - پھر اگر وہ دراصل مسلمانون کا ملک یا شہر ہو اقوام غیر نے اُسپر تغلب سے تسلّط پالیا ہو (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اُنمین اداے شعایر اسلام کی آزادی ہے وہ بحکم حالت قدیم دارالاسلام کہلاتا ہے اور اگر وہ قدیم سے اقوام غیر کے قبضہ و تسلّط مین ہو مسلمانون کو اُن ہی لوگون کی طرف سے اداے شعایر مذہبی کی آزادی ملی ہو تو وہ بھی دارالاسلام اور کم سے کم دارالسّلم والامان کے نام سے موسوم ہونے کا مستحق ہے - ان دونو حالتون اور نامون کر وقت اس شہر یا ملک پر مسلمانون کو چڑھائی کرنا اور اسکو جہاد مذہبی سمجھنا جائز نہین ہے - اور جو مسلمان اس ملک یا شہر مین با امن رہتے ہون انکو اس ملک یا شہر سے ہجرت کرنا واجب نہین بلکہ اور ملکون یا شہرون سے (متبرک کیون نہون) جہان انکو امن وآزادی حاصل نہو ہجرت کرکے اس ملک مین آرہنا موجب قربت وثواب ہے ٭

٭ مثلاً کبیر سین بھی ضلع ضد جھنگ -

اس شہر یا ملک پر چڑھائی نہ کرنے کے دلایل بضمن مسئلہ دوم گذر چکے ہیں کہ جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی مسجد دیکھتے یا وہاں سے اذان کی آواز سنتے وہاں حملہ کرتے اور نہ اس حملہ کی اجازت دیتے۔

اس شہر یا ملک کو دار الاسلام کہنے کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ ایک دفعہ دار الاسلام ہو چکا اور اسلام کے تسلط میں آچکا ہے تو جب تک جملہ شعایر اسلام اس سے موقوف نہوں وہ دار الحرب یا دار الکفر کہلائے تو اسمیں اسلام پر کفر کا غلبہ تاثیر ثابت ہوتا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے چنانچہ بخاری نے بطور تعلیق۔ اور دارقطنی نے بسند موصول روایت کیا ہے کہ اسلام غالب ہے۔ کفر اسلام پر غالب نہیں ہوتا۔ اور یہی فقہاء حنفیہ کا قول ہے چنانچہ فتاوی عالمگیری اور فصول عمادیہ وغیرہ میں کہا ہے کہ دار الاسلام کبھی دار الحرب نہیں ہو سکتا جبتک کہ شعایر اسلام سے ایک خصلت کا وجود بھی وہاں رہے۔ ایسا ہی امام ماوردی نے کہا ہے ان کا قول عنقریب خاتمہ شواہد مسئلہ سوم میں منقول

الاسلام يعلو ولا يعلى۔

(بخاری صـ۱۸۰)

ان دار الاسلام لا يصير دار الحرب اذا بقي شيء من احكام الاسلام وان زال غلبة اهل الاسلام ذكره سيد ناصر الدين في المنشور ان دار الاسلام انما صارت دار الاسلام باجراء احكام الاسلام فما بقي علقة من علائق الاسلام يترجح دار الاسلام فصول عمادية مثله في عالمگیریہ

ہوگا ۔

دوسری صورت میں اس ملک کے دارالاسلام یا دارالامان ہوا اور متبرک و مقدس مواضع چھوڑ کر اسکی طرف ہجرت کرنے پر دلیل یہ ہے کہ جناب رسالتمآب کے زمانہ مین ملک حبشہ عیسائی بادشاہ کے قبضہ و تسلط مین تھا اور دین اسلام کا وہان نام و نشان نہ تھا اور مکہ مکرمہ آپ کا اور سبھی مسلمانون کا مسکن اور قدیم سے متبرک و مقدس مکان تھا ۔ ولیکن انھین مسلمانون کو کفار بہت ستاتے تھے اور انکے دین مین بیجا مزاحمت کرتے ۔ اور بادشاہ حبشہ باوجود عیسائی ہونیکے کسی سے تعرض و ظلم کو پسند نہ کرتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس کا یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ حبشہ کا بادشاہ نیک آدمی ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اس کے

قال اهل التفسیر ائتمرت قریش ان یفتنوا المومنین عن دینهم فوثبت کل قبیلة علی من فیها من المسلمین یوذونهم ویعذبونهم فافتتن من افتتن وعصم الله منهم من شاء ومنع الله تعالی رسوله بعمه ابی طالب فلما رای رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ما باصحابه ولم یقدر علی منعهم ولم یومر بعد بالجهاد امرهم بالخروج الی ارض الحبشة وقال ان بها ملکا صالحا لا یظلم ولا یظلم عنده احد فاخرجوا الیه حتی یجعل الله للمسلمین فرجا واراد به النجاشی و اسمه اصحمه وهو بالحبشة عطیة

وانما النجاشی اسم الملک کقولہم قیصر
وکسری فخرج الیہا سرا احد عشر رجلا
واربع نسوۃ وہم عثمان بن عفان
وامرأتہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم وزبیر بن العوام
وعبد اللہ بن مسعود وعبد الرحمن
بن عوف وابو حذیفۃ بن عتبۃ و
امرأتہ سہلۃ بنت سہیل بن عمرو
ومصعب بن عمیر وابو سلمۃ بن
عبد الاسد وامرأتہ ام سلمۃ بنت
ابی امیہ وعثمان بن مظعون وعامر
بن ربیعۃ وامرأتہ لیلی بنت ابی حثمۃ
وحاطب بن عمرو وسہیل بن
بیضاء فخرجوا الی البحر فاخذوا
سفینۃ الی ارض الحبشۃ بنصف
دینار وذلک فی رجب فی سنۃ
الخامسۃ من مبعث رسول اللہ

ملک میں کوئی اور کسی پر ظلم کرتا ہے -
تم وہاں چلے جاؤ تو امید ہے امن و
خلاصی پاؤ گے - اس ارشاد نبوی کے
موافق گیارہ آدمی اعیان صحابہ سے
جن میں حضرت عثمان اور آپ کے حرم
محترم رقیہ لخت جگر رسول اللہ اور حضرت
زبیر و حضرت ابن مسعود و حضرت
عبد الرحمن بن عوف وغیرہ شامل تھے
حبشہ کیطرف ہجرت کی یہ پہلی ہجرت
حبشہ ہے - ان کے بعد حضرت جعفر
بن ابی طالب وغیرہ صحابہ مکہ چھوڑ کر
حبشہ میں پہنچے یہاں تک کہ بیاسی
مسلمان اکابر وہاں جمع ہوئے اور
تقریباً چودہ پندرہ سال وہاں رہے
باوجودیکہ ان کی ہجرت سے نو برس
سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
مدینے پہنچ چکے تھے اور وہاں اچھی طرح

وهذه الهجرة الاولى ثم خرج جعفر بن ابي طالب وتتابع المسلمون اليها وكان جميع من هاجر الى الحبشة من المسلمين اثنين وثمانين رجلاً سوى النساء والصبيان - (معالم التنزيل صـــ) ومثله في شرح القسطلاني جلد ۶ صـــ۲۲۳ وبعض القصة في صحيح البخاري صـــ و صـــ۶۰ وفي شرح القسطلاني صـــ۲۲۲ جلد۶ - وكتب له صلعم كتاباً يدعوه فيه الى الاسلام مع عمرو بن امية سنة ست من الهجرة واسلم على يد جعفر بن ابي طالب -

مستسلط ہو کر بدر و احد کی لڑائیوں میں کفار مکہ کو شکست دے کر مدینہ طیبہ کو کامل دارالاسلام بنا چکے تھے اور حبشہ اوسی طرح نصاریٰ کا ملک تھا۔ کیونکہ ہجرت نبوی کے چھٹے سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی شاہ حبشہ کو اسلام کی طرف بلایا اور اُسنے اسلام قبول کیا۔ اسپر بھی وہ پانچ چھ سال اس ملک نصاریٰ میں رہے ہجرت نبوی کے چھٹے سال کے ختم پر ساتویں کے شروع میں مدینہ طیبہ میں پہنچے ◆

یہ حالات ہجرت کتب حدیث صحیح بخاری قسطلانی شرح بخاری وغیرہ اور تفاسیر معالم وغیرہ میں بتفصیل مذکور ہیں۔ اس اجمال سے جو ہمنے بیان کیا ہے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس شہر یا ملک میں زیر حکومت مخالفین مذہب کیوں نہو مسلمان شعائر مذہبی آزادی سے ادا کرسکیں وہ دارالحرب نہیں ہے دارالاسلام ہے یا کم سے کم دارالسلم

دارالامان مسلمانون کو مقدس اور متبرک بلاد سے (اگر وہان امن نہ پاوین) ہجرت کرکے اُن مین رہنا جائز و ضروری ہے انکو چھوڑکر مقدس شہرون مین (اگر وہان امن نہو) جا رہنا واجب یا جائز نہین +

اسی نظر سے اکابر صحابہ حضرت ابن عمرؓ و عائشہ صدیقہؓ نے فتح مکہ کے بعد جبکہ ہر جگہ امن قایم ہوگیا تھا ہجرت کو غیر ضروری کہا اور صاف فرمادیا تھا کہ ہجرت کا حکم اسوقت تھا جب کہ مسلمان اپنے دین کو بھگائے لئے پھرتے تھے۔ اس خوف سے کہ وہ دین کے سبب فتنہ مین مبتلا ہون گے۔ آج اسلام کو خدا نے غلبہ دیا ہے (یعنے کوئی کسی مسلمان کو اسلام کے سبب تکلیف نہین پہنچاتا) آج مومن جہان چاہے خدا کی عبادت کرے۔ قسطلانی نے شرح بخاری مین اس حدیث کے ذیل مین کہا ہے کہ امام ماوردی نے فرمایا ہے جب مسلمان کو کفار کے شہر مین اظہار

ان عبد الله بن عمر كان يقول لا هجرة بعد الفتح وحدثني الاوزاعي عن عطاء بن ابي رباح قال زرت عائشة مع عبيد بن عمير الليثي فسالناها عن الهجرة فقالت لا هجرة اليوم كان المؤمنون يفر احدهم بدينه الى الله والى رسوله مخافة ان يفتن عليه فاما اليوم فقد اظهر الله الاسلام واليوم يعبد ربه حيث شاء (بخاري ص۵۵۱) قال القسطلاني في شرح البخاري فقد اظهر الله الاسلام وفشت الشرائع والاحكام - يعبد ربه حيث شاء فالحكم يدار مع

ن وقال الماوردی اذا قدر علی اظهار دین فی بلد من بلاد الکفر فقد صارت البلدة به دار الاسلام فالاقامة فیها افضل من الرحلة لما یرجی من دخول غیره فی الاسلام"

دین پر قدرت ہو تو وہ شہر دار الاسلام ہو جاتا ہے اسمین رہنا اور بلاد اسلامیہ کیطرف ہجرت کرنے سے افضل ہے کیونکہ وہان رہنے مین اور لوگون کا اسلام مین داخل ہونا متوقع ہوتا ہے +

ان اقوال مین بھی ہمارے بیان کی تائید پائی جاتی ہے - فللہ الحمد

مسئلہ سوم کے نتائج

(۱) اس مسئلہ اور اسکے دلایل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان باوجودیکہ عیسائی سلطنت کے قبضہ مین ہے دار الاسلام ہے - اسپر کسی بادشاہ کو عرب کا ہو خواہ عجم کا مہدی سودان ہو یا خود حضرت سلطان شاہ ایران ہو خواہ امیر خراسان مذہبی لڑائی وچڑھائی کرنا جائز نہین ہے -

( )اس زور و شور کی شہادت کتاب و سنت و اقوال علماء امت کے ساتھ اقوام غیر کا مسلمانون پر یہ گمان کہ جب قابو پاوینگے گورنمنٹ سے مقابلہ پر آمادہ ہونگے کمال درجہ کی سینہ زوری و افترا پردازی ہے مسلمانون مین جبتک قرآن و حدیث و فقہ کا عمل جاری رہیگا ان سے یہہ امر ہرگز سرزد نہوگا +

ہان کوئی کلیلین کی طرح جسنے عیسائی ہوکر اپنے ہم مذہب اور ہم قوم ملکہ پر

گولی چلائی تھی مسلوب الحواس ہو جائے اور دین اسلام کا پاس چھوڑ دے تو اسکا کوئی ذمہ دار نہیں ہے ۔

چوتھا اور پانچوان مسئلہ

(۴) جن لوگون سے اسلام مین لڑائی اور مذہبی جہاد کرنے کا حکم آچکا ہے اُنسے بھی مسلمانون کو صلح کر لینے اور جب تک وہ مناسب سمجھین لڑائی موقوف کر دینے کی اجازت ہے ۔

(۵) اس عہد و صلح کے بعد عہد کو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور مدت عہد مین اُن سے لڑنا اور در صورت خوف عہد شکنی جانب ثانی سے بلا فسخِ عہد و اعلانِ فسخ اُن پر حملہ کرنا حرام ہے ۔

جواز عہد و مصالحت کی دلیل خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ اگر تیرے دشمن و مقاتل تجھ سے صلح کی درخواست کرین تو تُو بھی صلح کی جانب مایل ہو ۔

> وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل
>
> علی اللہ - (انفال ع ۸)

اس قول خداوندی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کا عمر بھر کا عمل رہا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بہت سے کفار کے ساتھ غلبہ پانے کے بعد اور غلبہ سے پہلے صلح کی ہے اور مسلمانون کے اتفاق سے یہ مصالحت ثابت و جائز ہے ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حدیبیہ کے سال کفار مکہ کے ساتھ صلح

کی۔ اور یہ بات قرار پائی کہ دس برس تک لڑائی بند رہے۔ اسمیں لوگ امن

عن المسور بن مخرمة ومروان بن الحكم انهم اصطلحوا على وضع الحرب عشر سنين يأمن فيها الناس وعلى ان بيننا عيبة مكفوفة وانه لا اسلال ولا اغلال۔ (ابوداؤد مشکوٰۃ) فقال النبی صلعم على ان تخلوا بيننا وبين البيت فنطوف به فقال سهيل والله لا تتحدث العرب انا اخذنا ضغطة ولكن ذلك من العام المقبل فكتب فقال سهيل وعلى انه لا يأتيك منا رجل وان كان على دينك الا رددته الينا قال المسلمون سبحان الله يرد الى المشركين وقد جاء مسلما فبينا هم كذلك اذ دخل ابو جندل بن سهيل بن عمرو يرسف في قيوده وقد خرج من اسفل مكة حتى رمى بنفسه بين

پالیں اور لپٹا پڑا رہے لڑائی کا ڈھکنا رہے نہ اسمیں چھپی خیانت ہو نہ ظاہری دغا۔ اس صلح میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کی ایسی سخت شرطیں مان لیں جن میں ظاہر اسلام کی نہایت خفت تھی اور مسلمانوں کی شکست۔ ازانجملہ یہ کہ اس سال مسلمان کعبہ کا حج نہ کریں اور ازانجملہ یہہ کہ کافروں میں سے کوئی مسلمان ہو کر آنحضرت صلعم کے پاس آتے تو اسکو آنحضرت صلعم واپس کریں مسلمانوں سے کوئی مرتد ہو کر مکہ میں چلا جاوے تو کفار اسکو واپس نکریں اس شرط لکھنے کے اثنا میں ایک شخص (ابو جندل نامی) وکیل مشرکین مکہ کا بیٹا زنجیروں میں گھسٹتا ہوا آنحضرتؐ کے

اظہر المسلمین فقال سہیل ہذا یا محمد اول ما اقاضیک علیہ ان تردہ الی فقال النبی صلعم انا لم نقض الکتاب بعد قال فواللہ اذن لا اصالحک علی شئ ابداً فقال النبی صلعم فاجزہ لی فقال ما انا بمجیز ذلک قال بلی فافعل قال ما انا بفاعل قال مکرز بلی قد اجزناہ لک قال ابو جندل ای معشر المسلمین اُرد الی المشرکین وقد جئت مسلماً الا ترون ما قد لقیت وکان قد عذب عذاباً شدیداً الحدیث (بخاری صفحہ ۳۸)

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما ظہر علی خیبر اراد اخراج الیہود منہا وکانت الارض حین ظہر علیہا للہ ولرسولہ وللمسلمین فاراد اخراج الیہود منہا فسالت الیہود رسول اللہ صلعم

پاس آپہنچا اور اس کے واپس کرنے پر حضرت عمر وغیرہ مسلمانوں نے بہت پیچ وتاب کھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے بھی وکیل مشرکین سے اس شرط سے اس شخص کے مستثنیٰ کرنے کو بہت چاہا آخر وکیل مشرکین کے نہ ماننے پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسکو واپس کر دیا ٭

خیبر کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فتح کیا اور یہود کو اس زمین سے نکالنا چاہا تو انہوں نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ ہم اسی جگہ رہیں گے اور پیداوار اراضی سے نصف آنحضرتؐ کو دیتے رہیں گے آنحضرتؐ نے اسکو قبول کیا اور یہہ فرما دیا کہ جب تک خدا نے چاہا رہنے

بشرط ان یکفوا عملہا ولہم
نصف الثمر فقال لہم رسول اللہ نقرکم
بہا علی ذالک ما شئنا فقروا بہا حتی
اجلاہم عمر الی تیماء واریحاء

(بخاری ص ۳۱۵)

عن ابن عباس قال صالح رسول اللہ ﷺ
اہل نجران علی الفی حلۃ النصف فی صفر
والنصف فی رجب یؤدونہا الی المسلمین
عاریۃ ثلاثین درعا وثلاثین فرسا
وثلاثین بعیرا وثلاثین من کل
صنف من اصناف السلاح یغزون
بہا المسلمون ضامنون لہا حتی یردوہا
علیہم ان کان بالیمن کید ذات غدر
علی ان لا تہدم لہم بیعۃ ولا یخرج لہم قس
ولا یفتنوا عن دینہم ما لم یحدثوا
حدثا او یاکلوا الربا قال اسمعیل
فقد اکلوا الربا (ابوداؤد ص۷۷ ج۲)

ہم کو مناسب نظر آیا اسکو یہاں رہنے
دیں گے ۔ پھر وہ اسی شرط پر وہان
رہے یہاں تک کہ خلافت عمری میں
وہاں سے جلا وطن کئے گئے ۔

نجران کے عیسائیوں سے

آپ نے اس شرط پر صلح کی کہ وہ
سالانہ دو ہزار جوڑہ کپڑوں کا بطور
خمس دیتے رہے اور تیس زرہ اور
تیس ۳۰ گھوڑے اور تیس ۳۰ اونٹ
اور تیس ۳۰ ہتھیار لڑائی کے لئے بطور
عاریت دیتے رہیں جن کو مسلمان
بعد کار براری واپس کر دیں گے
ان کے حق میں مفید یہ
شرطیں بھی ہیں کہ ان کے
صوامع (چرچ) نہ گرائے جائیں
اور نہ ان کے علماء نکالے جائیں اور
نہ انکو دین سے کوئی روک ٹوک ہو

جبتک کہ وہ نئی باتین نہ نکالین اور سود※ نہ لین +

ان دلایل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جن کافرون سے جنگ و مقابلہ ہوا ان سے صلح کر لینی بھی جائز ہے (گو اس صلح مین بعض وجوہ سے مسلمانون کا نقصان ہو اور کافرون کا فایدہ) اگر مصلحت وقت اس صلح کی مقتضی ہو۔ اور عام نفع اہل اسلام اسمین متیقن ہو۔

صلح و عہد کے بعد غدر نہ کرنے کے دلایل کتاب و سنت مین بکثرت وارد ہین خدا کا یہہ قول بضمن دلایل مسئلہ اول نقل ہو چکا ہے کہ جو لوگ تمہاری عہد والون سے جا ملین اُن کو نہ مارو اور خدا نے فرمایا ہے جنسے تم نے مسجد الحرام کے پاس عہد کیا ہے جبتک وہ عہد پر قایم رہین تم بھی قایم رہو اور فرمایا اگر تمہارے بہائی تم سے دین مین مدد چاہین تو ان کو مدد دو مگر اس قوم پر ان کو مدد نہ دو جس سے تم عہد کر چکے ہو اور فرمایا عہد کو پورا کرو

دیکھو صفحہ (۱۱) رسالہ ہذا

الا الذین عاهدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لهم ان الله یحب المتقین (براۃ ع ۲)

وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینهم میثاق والله بما تعملون بصیر (انفال ع ۱۰)

واوفوا بالعهد ان العهد کان مسئولا

※ سود لینے کو اسلام نے انسانی اور ایمانی ہمدردی کے خلاف سمجھا ہے اسلئے ان پر یہ شرط کو قایم کیا +

(بنی اسرائیل ع ۴)

من لا یفی لذی عہد بعہدہ فلیس منی ولست منہ (رواہ مسلم)

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من قتل معاہدا لم یرح رائحة الجنة وان ریحها لتوجد من مسیرة اربعین عاما (رواہ البخاری ص۴۴۸)

ان الغادر ینصب لہ لواء یوم القیامة فیقول ہذہ غدرة فلان بن فلان (مسلم ص۸۳ ج۲ بخاری ص۴۵۲)

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من قتل معاہدا فی غیر کنہہ حرم اللہ علیہ الجنة (رواہ ابوداؤد ص۱۹ ج۲)

انی لا اخیس بالعہد (رواہ ابوداؤد ص۲۱ ج۲) وقال عمر بن الخطاب رضہ واوصیہ بذمة اللہ ورسولہ ان یوفی لہم بعہدہم وان یقاتل من ورائہم

عہد سے سوال ہوگا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جو عہد والے کا عہد پورا نہ کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے اور نہ میں اُسکے گروہ سے ہوں۔ آور فرمایا جو شخص عہد والے کو مار ڈالے گا وہ بہشت کی خوشبو نہ پائے گا باوجودیکہ چالیس برس کے فاصلے سے اسکی خوشبو آتی ہے

آور فرمایا عہد شکن کے لئے قیامت کے دن نشان کھڑا کیا جائے گا اور کہا جائے گا یہ فلاں شخص کا غدر ہے۔

آور فرمایا جو عہد والے کو بلا جرم مارے اسپر بہشت حرام ہے۔

اور فرمایا میں عہد شکنی نہیں کرتا اسکے موافق حضرت فاروق نے اپنے جانشین کو وصیت فرمائی ہے کہ وہ عہد والوں کا عہد پورا کریں اور ان کی حمایت

ہیں ان کے مخالفوں* سے لڑتیں ؛

(شرح ادا البخاری صفحہ ۲۲۹)

جانب ثانی سے عہد شکنی کے خوف کے وقت بلا فسخ عہد و اعلان حملہ کرنے کی ممانعت کی دلیل

یہ قول خداوندی ہے کہ جب تجھے کسی قوم سے عہد شکنی کا خوف ہو تو تو فسخ عہد کا پیام برابری پر اُن کو پہنچا دے خدا خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

وإما تخافن من قوم خيانة فانبذ اليهم على سواء ان الله لا يحب الخائنين (انفال ع ۸)

ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے چنانچہ

سلیم بن عامر نے نقل کیا ہے کہ امیر معاویہ اور روم والوں میں عہد مقرر تھا جب وہ گذرنے لگا امیر معاویہ نے اُنپر حملہ کا ارادہ کیا پس ایک شخص عربی یا ترکی گھوڑے پر سوار آیا اور بولا اللہ اکبر

عن سليم بن عامر رجل من حمير قال كان بين معاوية وبين الروم عهد وكان يسير نحو بلادهم حتى اذا انقضى العهد

---

* یہ حکم حضرت فاروقؓ کا عام ہے ان مسلمان مخالفوں کو بھی شامل ہے جو مسلمانوں کے عہد والوں سے لڑیں۔ ان مسلمانوں کی مدد سے مسلمانوں کو چھٹی ملی ہے جو بصفحہ (۳۰) منقول ہو چکی ہے (وان استنصروكم في الدين) ہمارے اس نوٹ کو ڈاکٹر شبیر صاحب توجہ سے ملاحظہ فرماویں اور انصاف سے کہیں کہ اس میں انکے اس سوال کا جواب ہے جو اپنی کتاب تنویر مسلمانان ڈاکٹر میر ولایت کے خاتمہ پر ایک حاشیہ میں علماء اسلام سے کیا ہے کافی اور گذشتہ کے حق میں مفید جواب دیا ہے یا نہیں ؟

غزاهم فجاء رجل على فرس او برذون وهو يقول الله اكبر الله اكبر وفاء لا غدر فنظروا فاذا عمرو بن عبسة فارسل اليه معاوية فسأله فقال سمعت رسول الله يقول من كان بينه وبين قوم عهد فلا يشد عقدة ولا يحلها حتى ينقضي امدها او ينبذ اليهم على سواء فرجع معاوية (رواه ابوداود صـ۲۳ ج ۲ والترمذی صـ۱۹۲ ج ۱)

وفا چاہیے نہ کہ غدر۔ امیر معاویہ نے دیکھا تو وہ عمرو عبسہ صحابی تھا امیر معاویہ نے ان کے آنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلعم سے سُنا ہے کہ جسکا کسی قوم سے عہد ہو وہ اسکو فسخ نہ کرے جب تک مدت گذر نہ جائے یا برابر برابر فسخ عہد سے اسکو اطلاع دے جائے۔ یہ سنکر امیر معاویہ اس حملہ سے باز آئے اور وہان سے پھر گئے +

مسئلہ چہارم وپنجم کے نتائج مسئلہ ششم وہفتم کے نتائج کے ساتھ بیان ہون گے +

چھٹا وساتوان مسئلہ

(۶) کافر (ظالم اور مذہب مسلمانون مین مزاحم لائق جہاد ہی کیون نہون) جب مسلمانون کے شہرون اور ملک پر تغلب سے تسلط پالیتے ہین تو ان شہرون کے مالک ومتصرف ہوجاتے ہین +

(۷) جب کسی کافر کے ملک یا شہر مین کوئی مسلمان امن چاہتا ہے تو وہ اسی عہد والے کی مانند ہوجاتا ہے جسنے صریح عہد دیا ہو۔ اسکو اس کافر سے غدر

کرنا اور اس کے جان ومال سے تعرض کرنا ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ صریح عہد والون کی جان ومال سے تعرض حرام ہے ٭

غلبہ سے کافر کے مالک ہو جانے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے کافرون کے اُن تصرفات کو جو انہون نے آپ کے اموال پر متسلط ہو کر کئے نافذ فرمایا ۔ اور خود تسلط پاکر ان کو بے محل و بے اعتبار نہین ٹھیرایا ۔ صحیح بخاری مین حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم سے اسامہ نے حج کے ایام مین پوچھا یا رسول اللہ آپ مکہ مین اپنے کس گھر مین اُترین گے ۔ آپ نے جواب مین فرمایا عقیل نے ہمارا کوئی گھر چھوڑا ہے ؟ (یعنی سبھی گھرون پر تصرف کر لیا ہے) ٭

> عن اسامة بن زید انه قال یا رسول الله این تنزل فی دارک بمکة فقال هل ترک لنا عقیل من رباع او دور وکان عقیل ورث ابا طالب هو وطالب لم یرثه جعفر ولا علی شیئا لانهما کانا مسلمین وکان عقیل وطالب کافرین
>
> (بخاری ص [illegible])

اس ملک وتصرف عقیل کی ایک وجہ تو اسی حدیث مین بیان ہوئی ہے کہ ابو طالب کے وارث عقیل و طالب ہی ہوئی تھی نہ حضرت علی و جعفر کیونکہ وفات ابو طالب کے وقت عقیل و طالب کافر تھے ۔ اور حضرت جعفر اور حضرت علی مسلمان ہو چکے تھے مگر یہ وجہ بجز ملک وتصرف مکانات ابو طالب کے اور مکانات کے (جن مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکان بھی

شامل تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مین عقیل انکا وارث نہین ہوسکتا تھا ، ملک وتصرف کی دلیل نہین ہوسکتی -

لہذا یہ وجہ ملک وتصرف (جو اس حدیث مین بیان ہوئی ہے) ابو طالب کے مکانات کے مالک ہوجانے سے مخصوص رہے گی اور آنحضرت کے مکان کے مالک ومتصرف ہوجانے کی وجہ وہی کہنے پڑیگی جو ہم نے بیان کی ہے کہ عقیل کا غلبہ وتسلط اس مکان پر ہوگیا تھا جسکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناقد فرمایا قسطلانی نے اس حدیث کی شرح مین فرمایا ہے یہ گھر (جسکا حدیث مین ذکر ہے) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد ہاشم کی تھی پھر اُنکے بیٹے عبد المطلب کو پہنچی اُنھے اپنی اولاد مین تقسیم کردیئے پھر اپنے باپ عبد اللہ کا حق آنحضرت کو ملا اسی مکان مین آنحضرت صلعم تولد ہوئے تھے پھر فاکہی نے بیان کیا ہے آنحضرت کا یہ کہنا کہ عقیل نے ہمارا کوئی گھر نہین چھوڑا اس سے ظاہرًا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس گھر کے مالک تھی اور اپنی ذات شریف

> قیل ان ھذہ الدار کانت لھاشم بن
> عبد مناف ثم صارت لابنہ عبد المطلب
> فقسمھا بین ولدہ فمن ثم صار للنبی
> صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق ابیہ
> عبد اللہ وفیھا ولد النبی صلعم قالہ
> الفاکھی - وظاھر قولہ وھل ترک لنا
> عقیل من رباع انھا کانت ملکہ و
> اضافھا الی نفسہ فیحتمل ان عقیلا
> تصرف فیھا کما فعل ابو سفیان
> بدور المھاجرین ویحتمل غیر ذلک
> × × × × × × وقال الداودی

وغیرہ کان کل من هاجر من المؤمنین باع قریبه الکافر داره فامضی النبی صلی اللہ علیه وسلم تصرفات الجاهلیة تالیفاً لقلوب من اسلم منهم ۔ (قسطلانی صفحہ جلد ۳)	کیطرف اس گھر کو آپ نے منسوب فرمایا ہے ۔ پس عقیل کے مالک ہو جانے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عقیل نے اس گھر میں تصرف کر لیا ہو جیسا کہ ابوسفیان نے اور مہاجرین کے گھروں پر تصرف کیا تھا

اور شاید اسکی وجہ کوئی اور بھی ہو ۔

راقم کہتا ہے یہہ تردد قسطلانی کا ہمارے مدعا کو مضر نہیں پہنچاتا ہمارا مدعا یہہ ہے کہ عقیل کے ملک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے گھر آجانے کی وجہ وراثت نہیں ہو سکتی ۔ اسکی وجہ تغلب و تسلط ہے اگر ساتھ اور بھی وجہ ہو تو مضایقہ نہیں ۔ پھر قسطلانی نے کہا ہے کہ داؤدی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ ہر ایک مہاجر کا مکان اسکے قرابتی نے بیچ دیا پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے تصرفات زمانہ جاہلیت کو تالیف قلوب نومسلموں کے لئے نافذ رکھا (یعنے اپنا دخل و تصرف پاکر بھی انکو فسخ نہیں کیا) وہ تصرفات ناجائز ہوتے تو ضرور آپ مکہ پر متسلط ہو کر جسکا مکان کسی نے دبا کر فروخت کر دیا تھا وہ اسی کو دلواتے اور ظالم کے تصرف کو اُٹھاتے ۔

اس مسئلہ "تغلب کفار سے ثبوت ملک" میں مجتہدین کا اختلاف ہے ۔ شافعی اور ایک جماعت قایل ہیں کہ کفار صرف غلبہ سے مسلمانوں کے اموال کے

وقد اختلف اهل العلم فی ذلك
فقال الشافعی وجماعة لا یملك اهل
الحرب بالغلبة شیئا من المسلمین و
لصاحبه اخذه قبل القسمة وبعدها
وعن علی والزهری وعمرو بن دینار
والحسن لا یرد اصلا ویختص به اهل
المغنم وقال عمر بن سلمان بن ربیعة
وعطاء واللیث ومالك واحمد و
آخرون وهی روایة عن الحسن ایضاً
ونقله ابن ابی الزناد عن ابیه عن
الفقهاء السبعة ان وجده صاحبه
قبل القسمة فهو احق به وان وجده بعد القسمة
فلا یاخذه الا بالقیمة (نیل الاوطار ۱۹ ج۷)

مالک نہیں ہوتے لہذا جو مال مسلمانوں کا
کافروں کے ہاتھ میں چلا جاوے وہ
مسلمانوں کے فتحیاب ہونے پر انہی
مسلمانوں کو ملے گا جن کا مال تھا حضرت
علی و زہری و عمرو بن دینار و حسن
بصری کہتے ہیں کہ وہ کافروں کا مال
ہو چکا تھا مسلمانوں کے ہاتھ آوے گا
تو ان سب کا ہوگا جنہوں نے کافروں
کو لوٹا ۔ عمرو بن سلمان ابن ربیعہ وعطا
ولیث و امام مالک و امام احمد وغیرہ
کا یہ قول ہے کہ وہ مال مسلمانوں میں
تقسیم ہو چکا ہو تو اصل مالک کو قیمت
ملیگی تقسیم سے پہلے بلا قیمت بھی وہ
لینے کا حقدار ہے اس مذہب سے بھی یہی بات ہوتی ہے کہ وہ مال کفار کے
ملک میں آچکا تھا ۔

کتاب ہدایہ میں (جو حنفی مذہب میں ایک مشہور و معتبر کتاب ہے) کہا ہے کہ کفار ہمارے
اموال پر غلبہ پائیں تو ان کے مالک ہو جاتے ہیں بشرطیکہ وہ ان کو اپنی جگہ

واذا غلبوا علی اموالنا والعیاذ باللہ واحرزوھا بدارھم ملکوھا وقال الشافعیؒ لا یملکونھا لان الاستیلاء محظور ابتداءً وانتھاءً والمحظور لا ینتھض سبباً للملک علی ما عرف من قاعدۃ الخصم ولنا ان الاستیلاء ورد علی مال مباح فینعقد سبباً للملک دفعاً لحاجۃ المکلف کاستیلائنا علی اموالھم وھذا لان العصمۃ تثبت علی منافاۃ الدلیل ضرورۃ تمکن المالک من الانتفاع فاذا زالت المکنۃ عاد مباحاً کما کان غیر ان الاستیلاء لا یتحقق الا بالاحراز بالدار لانہ عبارۃ عن الاقتدار علی المحل حالاً ومآلاً والمحظور لغیرہ اذا صلح سبباً لکرامۃ تفوق الملک وھو الثواب الآجل فما ظنک بالملک العاجل۔

تسلط مین لیجائین۔ امام شافعی اس مسئلہ کے مخالف ہین وہ کہتے ہین کفار کا تغلب ہی ناجائز ہے تو وہ ملک کا سبب کیونکر ہوسکتا ہے حنفیہ کی طرف سے اسکا جواب یہ ہے کہ تغلب کفار بر اموال مسلمین ہرگز ناجائز ہے مگر اس حالت مین اور اس وقت تک کہ مسلمانون کا اُنپر تسلط و قبضہ ہو اور جب وہ تسلط اُٹھ گیا تو کافرون کا تسلط ان اموال پر جائز ہوگیا اور وہ مال مباح پر تسلط ٹھہرا وہ کہتے ہین دراصل ہر چیز سے ہر شخص نفع اُٹھانیکا مستحق ہے چنانچہ قرآن مین فرمایا ہے ”خدا نے تم سب کے لئے جو کچھ زمین مین ہے پیدا کیا ہے“ پھر خاص خاص چیزون سے خاص خاص لوگون کو نفع اُٹھانیکے لئے خداتعالے نے قبضہ و تسلط کو سبب بنا دیا ہے اور یہ حکم دے دیا ہے کہ

(ہدایہ صفحہ ۵۶۱ جلد ۱)

جنگلی چیز ہو جیسے جسکے قبضہ و تسلط مین ہو وہی اس سے نفع اوٹھاوے اور جب یہ قبضہ و تسلط اُٹھ گیا تو وہ مال سب کے لئے مباح ہو گیا۔ پھر اسپر تغلب و تسلط مال مباح پر تسلط ہوگا اور وہ ملک کا سبب ہو سکے گا۔ جیسا کہ ہمارا تسلط ان کے اموال پر مال مباح پر تسلط اور ملک کا سبب ہوتا ہے ✦

امام شافعی کے مذہب کی تائید مین بعض علما یہہ حدیث پیش کرتے ہین جو صحیح مسلم مین بصفحہ ۵۴ جلد ۲ منقول ہے کہ ایک عورت کفار کی قید مین آگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اونٹنی عضباء نامے ابھی اُن کے قابو مین آئی۔ وہ عورت ان کی قید مین تھی اور وہ لوگ اپنے اونٹون کو اپنے ڈیرون کے سامنے رات کو لے آتے اور

عن عمران ابن حصین قال واسرت امرأة من الانصار واصیبت العضباءُ فکانت المرأة فی الوثاق وکان القوم یریحون نعمهم بین یدی بیوتهم فانفلتت ذات لیلة من الوثاق فاتت الابل فجعلت اذا دنت من البعیر رغا فتترکه حتی تنتهی الی العضباء فلم ترغ قال وهی

✦ طحاوی کی روایت مین ہے چنانچہ فتح القدیر حاشیہ ہدایہ مین منقول ہے وکانوا اذا نزلوا یریحون ابلهم فی افنیتهم۔ یعنے وہ اس سفر مین منزل پر اترتے تو اونٹون کو اپنے آگے کے میدانون مین لے آتے۔ مطلب یہ ہے کہ بیوت کا ترجمہ ڈیرہ سے کیا ہے۔ وہان سفر مین بنے ہوئے گھر نہ تھے وہی کپڑے کمبل وغیرہ کے ڈیرے تھے۔

منوقة فقعدت فی عجزها فانطلقت ونذروا بها فطلبوها فاعجزتهم قال ونذرت لله عز وجل ان نجاها الله علیها لتنحرنها فلما قدمت المدینة رآها الناس فقالوا العضباء ناقة رسول الله صلعم فقالت انها نذرت ان نجاها الله علیها لتنحرنها فاتوا رسول الله صلعم فذکروا ذلك له فقال سبحان الله بئس ما جزتها نذرت الله ان نجاها علیها لتنحرنها لا وفاء لنذر فی معصیة ولا فیما لا یملك العبد وفی روایة ابن حجر لا نذر فی معصیة الله (صحیح مسلم ص۳۵ جلد ۲)

ٹھرایا کرتے ایک شب وہ عورت قید سے چھوٹ گئی اور وہ اُن اونٹوں میں پہنچی وہ جس اونٹ کے پاس جاتی وہ آواز کرتا۔ لہذا وہ اُسکو چھوڑ دیتی یہانتک کہ عضبا اونٹنی کے پاس پہنچے تو وہ نہ بولے کیونکہ وہ سواری میں لگی ہوئی اور فرمان بردار تھی۔ وہ اسپر سوار ہوکر چل پڑی۔ کفار کو علم ہوا تو دوڑے مگر اسکو نہ پکڑ سکے اسوقت اسنے منت مانی کہ خدا نے اسکو کفار سے بچا لیا تو وہ اس اونٹنی کو خدا کے نام پر ذبح کرے گی۔ آنحضرت صلعم نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ اُسنے بُرا کیا جو اسکو بدلہ دیا۔ گناہ کی منت کا وفا واجب نہیں۔ اور نہ اس چیز کی منت کا جسکا بندہ مالک نہو۔ اس حدیث سے استدلال کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس اونٹنی کی نسبت اس حدیث کا آخری فقرہ فرمایا گیا ہے وہ اونٹنی تغلب سے کفار کی ملک آجاتی تو وہ عورت بھی اسکی مالک ہوجاتی اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عورت کو یہ نفرماتے کہ جس چیز کا کوئی مالک نہو

اسکی منت کا وفا اسپر واجب نہیں۔

اسکا جواب عینی حنفی نے بنایہ شرح ہدایہ میں یہہ دیا ہے کہ وہ لوگ ہنوز اوس اونٹنی کو اپنے ملک میں لیجا نہ چکے تھے راستہ ہی میں وہ اس عورت کے ہاتھ آگئی تھی اور کہا ہے تغلب سے کفار کی ملک تب ثابت ہوتی ہے جب وہ مسلمانوں کے مال کو اپنے ملک لیجائے و تسلط میں لیجائیں۔ پھر کہا ہے ہماری (حنفیہ کے) دلیل قران میں یہ قول خداوندی ہے جسمیں خدا نے فقرا مہاجرین کو صدقہ کا مصرف ٹھہرایا ہے اس قول میں خدا نے ان کو فقیر کہا ہے اور فقیر وہی کہلاتا ہے جسکے ملک میں کچھ نہو اور اگر کفار مکہ وغیرہ مہاجرین کے پس ماندہ اموال کے مالک نہو جاتے تو خدا ان کو فقیر نہ کہتا۔

قلت ما كانوا احرزوها بدارهم واخذ المرأة العضباء كان قبله في الطريق وقبل الاحراز لا يثبت الملك ودليلنا من القران قوله تعالى للفقراء المهاجرين فالله تعالى سماهم فقراء والفقير من لا يملك فلو لم يملك الكفار اموالهم ما سموا فقراء (عيني شرح هدايه صـ[illegible] جلد ۳)

ایسا ہی شیخ ابن الہمام نے فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں استدلال آیت قران کی تائید میں کہا ہے کہ جو شخص صرف کسی خاص مکان میں ہونے کے سبب اپنے مال کا مالک اور امیر قابض و متصرف

وليس من لا يملك مالا وهو في مكان لا يصل اليه فقيرا بل هو مخصوص بابن السبيل - ولهذا اعطوا عليه في

لفضل الصدقة (فتح القدیر ص[illegible] ج ۲)

ہو اسکو فقیر نہین کہا جاتا ایسا شخص ابن السبیل کے نام سے مخصوص ہے۔

وحديث العضباء كان قبل احرازهم بدارهم الا ترى الى قوله كانوا اذا نزلوا الخ فانه تفهم منه انها فعلت ذلك وهم في الطريق (فتح القدير ص[illegible] ج ۲)

اور جواب حدیث عضباء کی تائید مین کہا ہے کہ اسپر روایت طحاوی مین یہ قول راوی شاہد ہے کہ وہ جب منزل پر اُترتے تو اونٹون کو سامنے کے میدان مین لے آتے تھے جس سے سمجھ مین آتا ہے کہ وہ ہنوز راستہ مین تھی کہ وہ عورت اس اونٹنی کو لے بھاگی۔

مؤلف کہتا ہے - جو لوگ ان علماء کی اباحت کو غلط کہین وہ اس سے بڑھ کر صریح روایت سے ثابت کرین کہ وہ لوگ اونٹنی کو لوٹ کے ملک دار الحرب مین لیجا چکے تھے اور جہان وہ رات کو اونٹ بٹھاتے تھے وہ ان کے وطنی اور سکونتی مکانات کے صحن تھے۔

ایک جواب اس حدیث کا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حدیث نفی ملک متغلب و متسلط پر نص یا اشارہ نہیں ہے - اس حدیث مین جو فرمایا گیا ہے کہ جس چیز کا بندہ مالک نہو اسکی منت کا وفا اُسپر واجب نہیں ہے اس کا اس امر پر نص یا اشارہ ہونا متعین نہیں ہے کہ یہ اس عورت کے حق مین کہا گیا ہے - اور اس سے یہ مقصود ہے کہ وہ عورت اس اونٹنی کے تغلب سے مالک نہیں ہوئی اسلئے اسپر اس ذبح کرنے کی منت کا ایفا واجب نہیں" جائز و محتمل ہے کہ یہ

ایک جداگانہ حکم متعلق نذر بیان کیا گیا ہو۔ اس عورت کی نسبت اور اس کے حق میں وہی پہلا حکم ہو کہ گناہ کی منت کا وفا واجب نہیں ہے۔ اور اس سے یہ مقصود ہو کہ تیرا فعل معصیت ہے لہذا تجھ پر اسکا ایفا واجب نہیں ہے۔ اس فعل کا معصیت ہونا آپ کے اس لفظ سے بھی ثابت ہوتا ہے جو اس سے پہلے فرمایا ہے کہ تُو نے یہ بُرا کام کیا جو اسکو بدلہ دیا۔ اور اگر اس قول نبی کو جسمیں ملک غیر میں وفا نذر کا واجب نہونا فرمایا گیا ہے، اسی عورت کے حق میں مخصوص کیا جائے تو اسکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بوقت نذر اس عورت کا پورا تغلب و تسلط نہوا تھا۔ اسوقت تک ممکن تھا کہ اوس اونٹنی کو اسکے مالک کفار (جو اسکے پکڑنے کو دوڑے تھے) اسکو چھین کر لیجاتے (گو اسکے بعد یہ امکان دور ہوا جب وہ تھک کر واپس ہوئے) اور یہ بھی ممکن تھا کہ آنحضرت صلعم اس اونٹنی کو (اپنے ملک سابق کے لحاظ سے بلکہ اموال غنیمت مسلمانوں سے حق اصطفا کی نظر سے خود لے لیتے (چنانچہ ایسا ہی ہوا) اور احتمال ہے کہ اسی حق اصطفا کی لحاظ سے اپنے اوس اونٹنی کو لے لیا ہو) پھر وہ باوجود قیام ان احتمالات کے اس عورت سے کیوں اس اونٹنی کو اپنے ملک سمجھ لیا اور اسکا ذبح کرنا مان لیا۔ علما شافعیہ اور جو ان کے ہم خیال ہوں اس حدیث سے ان احتمالات کو اٹھا لیں تب اس حدیث سے تمسک کا نام لیں۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ رح و امام مالک رح و امام احمد رح کا مذہب کہ

---

* کان للنبی صلعم من الغنائم ثلث خمس الخمس وصفی یصطفیہ لنفسہ من درع او سیف وجاریۃ قبل قسم الغنائم (فتاوی حمادیہ ص ۲۲۳)

کافر تغلب سے اموال مسلمین کے مالک بنجاتا ہے یہی صحیح ہے اور آیات قرآن اور حدیث صحیح بخاری اس مذہب کے موید ہیں اور اسکا خلاف تغلب سے انکا مالک نہونا جوان چار ہی اماموں سے صرف شافعی کا مذہب ہے اسپر کوئی صریح دلیل نہیں ہے۔ اور نہ اس مذہب پر چلنے والا ہندوستان میں کوئی نظر آتا ہے۔ بالجملہ ساکنین ہندوستان کے مذہب میں کافر تغلب سے مالک ہو جاتا ہے اور ہمارے مسئلہ متنازعہ میں ہندوستان کے اہل مذاہب کو نزاع کا محل نہیں ہے ٭

کافروں کے ملک اور شہر میں امن چاہکر غدر نہ کرنے کے حرام ہونے پر دلیل یہہ صریح حدیث صحیح بخاری وغیرہ کی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ صحابی اپنی حالت کفر میں ہم مذہب قوم کے ساتھ ہوکر مصر میں گیا۔ وہاں کے بادشاہ مقوقس نے اون لوگوں پر احسان کیا اور مغیرہ کے احسان و اکرام میں قصور کیا۔ اس سے مغیرہ کو رشک پیدا ہوا کیونکہ وہ ان کا ہم قوم نہ تھا لہذا جب وہ واپس ہوکر راستے میں شراب پی کر مخمور ہوئے اور سو گئے تو مغیرہ نے اس حالت نشہ اور نیند میں اون کو

> كان المغيرة بن شعبة صحب قوماً في الجاهلية فقتلهم واخذ اموالهم ثم جاء فاسلم فقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منه في شيء (رواه البخاري صـ۳۷ وفي رواية ابي داود صـ۲۵ جلد ۲) واما المال فانه مال غدر لا حاجة لنا فيه ـ قد كان المغيرة قبل اسلا

صحب قوماً في الجاهلية من ثقيف
من بني مالك لما خرجوا زائرين
المقوقس بمصر فاحسن اليهم وقصر
بالمغيرة فحصلت له الغيرة منهم لانه
ليس من القوم فلما كانوا بالطريق
شربوا الخمر فلما سكروا وناموا غدر بهم
فقتلهم جميعاً واخذ اموالهم فلما بلغ
ثقيفاً فعل المغيرة تداعوا للقتال
فسعى عروة عم المغيرة حتى اخذوا
منهم دية ثلاثة عشر نفساً واصطلحوا
فهذا هو سبب قوله اي غدر ثم جاء
الى المدينة فاسلم فقال له ابو بكر ما
فعل المالكيون الذين كانوا معك
قال قتلتهم وجئت باسلابهم الى رسول
الله صلى الله عليه وسلم لتخمس
او يرى فيها رايه فقال النبي صلى
الله عليه وآله وسلم اما الاسلام

غدر کیا - ان کو قتل کر ڈالا - اور اُن کا
مال لوٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی خدمت مین حاضر ہو کر اسلام
کا اظہار کیا - جب آنحضرت صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے اسلام
کو تو ہم نے قبول کیا پر اس مال سے
ہم کو کچھ تعلق وحاجت نہین ہے -
کیونکہ یہ غدر کا مال ہے قسطلانی نے
مال غدر ہونے کی وجہ یہ بیان
کی ہے کہ مال مشرکین (یعنے جو
لڑائی کے لائق ہوں) اگرچہ تغلب و
تسلط اہل اسلام کے وقت مال غنیمت
کہلاتا ہے (جو حلال ہے) پر امن
کی حالت مین اس مال کا ان سے
جبراً لے لینا حلال نہین ہے - اور
جب انسان کسی کے ساتھ ہو کر چلتا
ہے تو اپنے ساتھی کو یہ جتاتا ہے کہ

فاقبل ای اقبل واما المال فلست منه فی شیء ای لا اتعرض له لکون اخذه غدرا لان مال المشرکین وان کانت مغنومة عند القهر فلا یحل اخذها عند الامن فاذا کان الانسان مصاحبا لهم فقد امن کل واحد منها صاحبه فسفک الدماء واخذ الاموال عند ذلک غدر والغدر بالکفار وغیرهم محظور انتہی مختصراً

(قسطلانی صفحہ ۳۵ جلد ۵)

مین تیرے جان و مال سے تعرض نہین کرونگا - اور جن نے تجھے امن و عہد دیا اس کے بعد اس کا خون بہانا اور مال لوٹ لینا غدر ہے اور غدر کافرون کے ساتھ کیون نہو حرام ہے ۔

اس حدیث مین جب صرف ملکر رستہ چلنے کو حکماً و معنیً امن و عہد ٹھہرایا اور اس امن و عہد کے خلاف کو غدر قرار دیا ہے تو جن ملک و بلاد کفار مین جو ابتداء سے ان کے ملک ہون یا تغلب سے ان کے تسلط مین ہون امن جتا کر رہنا اور اسمین امن و آزادی کے ساتھ عمر بسر کرنا کیونکر امن و عہد نہو گا اور اسکا خلاف کیون نہ غدر قرار پائے گا ۔

مسئلہ چہارم و پنجم و ششم و ہفتم کے نتائج

ان مسائل اربعہ اور ان کے دلائل کے نتائج بیان کرنے سے پہلے دو امر واقعی نفس الامری کا بیان ضروری ہے

امر اول یہ کہ ملک ہندوستان پر برٹش گورنمنٹ کا پورا قبضہ و تسلط ہے۔ کوئی ذی شوکت سلطنت اس قبضہ و تسلط کی مزاحم نہین ہے۔

امر دوم یہ کہ مسلمان جو ہندوستان مین اقامت گزین ہین تین قسم مین منقسم ہین۔

قسم اول اسلامی ریاستون کے رئیس باختیار (جیسے رئیس ٹونک۔ رئیس رامپور رئیسہ بھوپال۔ رئیس حیدرآباد۔ وغیرہ)

دوم اُن رئیسون کی ماتحت رعایا۔

قسم سوم خاص برٹش گورنمنٹ کی رعایا جو کسی اسلامی ریاست کے ماتحت نہین۔

ان تینون اقسام سے ہر ایک قسم کا برٹش گورنمنٹ سے دوستی و ترک مقابلہ و لڑائی کا عہد ہو چکا ہے۔

قسم اول نے تو گورنمنٹ سے صریح لفظی اور حقیقی عہد لکھ دیا ہے کہ وہ گورنمنٹ سے کبھی مخالفت نکرین گے اور ہمیشہ اس کے مددگار رہین گے اور ایسا ہی اسوقت تک وہ کرتے رہے ہین قسم دوم کا عہد ان کے رئیسون کے عہد مین داخل و شامل ہے یہ امر اس حدیث بخاری سے ثابت ہوتا ہے جس مین یہ ارشاد ہے کہ سبھی مسلمانون کا ذمہ ایک ہوتا ہے ادنے شخص کسی سے عہد کر لے اور لڑنے مارنے سے امان دے تو اورون کو اس عہد کا پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے

باب ذمة المسلمين وجوارهم واحدة يسعى بها ادناهم الخ (صحیح بخاری)

پس یہ جانے کہ اعلیٰ طبقہ قوم کے رئیسوں اور سرداروں نے کسی کو عہد و امن دیدیا ہو قسم ثالث سے بعض اشخاص کا تو صریح لفظی و حقیقی عہد ہو چکا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو تحریراً و تقریراً حاضر و غائب خیر خواہی و وفاداری گورنمنٹ کا دم بھرتے ہیں اور ان کی خدمت و معاونت میں سرگرم ہیں ان ہی لوگوں میں پنجاب کے اہلحدیث داخل ہیں۔ جنہوں سر ہنری ڈیوس صاحب بہادر کے عہد لفٹنٹ گورنری میں بذریعہ ایک عرضداشت کے اس عہد کا اظہار کیا تھا جسپر [illegible] میں پنجاب گورنمنٹ سے ایک سرکلر بھی ان کی تصدیق و تائید میں مشتہر ہوا تھا۔ اور باقی تمام مسلمانوں کا جنہوں نے کبھی کچھ قلم یا مونہہ سے عہد نہیں کیا معنوی و حکمی عہد ہو چکا ہے اس عہد (حکمی و معنوی) سے کوئی شخص سکان ہندوستان سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سالہا سال سے امن چاہکر گورنمنٹ کی رعایا کہلا کر امن و آزادی سے زیر حکومت گورنمنٹ اوقات بسر کر رہے ہیں نہ برملا مقابلہ و مخالفت کے وہ مدعی ہیں اور نہ جاسوس بنکر دار الحرب کے بسنے والوں کی طرح خفیہ سکونت رکھتے ہیں۔ بلکہ معدودین شعبہ سے (جسکا حال بصفحہ (۴۴) بیان ہوا ہے) بڑھکر اپنی زبان حال سے عہد و امن کا اظہار کر رہے ہیں۔ امور واقعیہ کا بیان تمام ہوا۔ اب اصل نتائج کو بیان کیا جاتا ہے۔

ان مسائل (نمبر ۴ و ۵ و ۶ و ۷) سے اور ان کے دلائل سے بلحاظ ان دو امور واقعیہ کے صاف اور یقینی طور پر ایک یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانان ہندوستان کے

تینون قسم کا (جب تک کہ وہ اپنے عہدون پر (لفظی وحقیقی ہون خواہ معنوی و حکمی اصلی ہون خواہ ضمنی) قایم رہیں اور اس گورنمنٹ کے ماتحت رہیں۔ اور ان عہدون کو علانیہ طور پر اٹھا کر یا حکومت گورنمنٹ سے باہر جا کر اپنے ارادہ مخالفت سے برملا گورنمنٹ کو اطلاع نہ دیں) اس گورنمنٹ سے لڑنا یا اُن سے لڑنے والون کی (ان کے بھائی مسلمان کیون نہون) کسی نوع سے مدد کرنا صریح غدر اور حرام ہے۔

اس نتیجہ کو ناواقف اہل اسلام ملاحظہ فرما کر پیش نظر رکھیں اور صرف کفر کی نظر سے ہر ایک مخالف مذہب سے جنگ و مقابلہ کرنے کو شرعی جہاد نہ سمجھ لیا کریں۔ عہد و امن والون سے لڑنا ہرگز شرعی جہاد (ملکی ہو خواہ مذہبی) نہیں ہو سکتا ہے بلکہ غدر و فساد کہلاتا ہے مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے وہ سخت گناہگار اور بحکم قرآن و حدیث وہ مفسد و باغی بدکردار تھے۔ اکثر ان میں عوام کالانعام تھے بعض جو خواص و علما کہلاتے تھے وہ بھی اصل علوم دین (قرآن و حدیث) سے بے بہرہ تھے یا نافہم و بے سمجھ۔ باخبر و سمجھ دار علما اس میں ہرگز شریک نہیں ہوئے اور نہ اس فتوی پر جو اس غدر کو جہاد بنانے کے لئے مفسد لئے پھرتے تھے انہون نے خوشی سے دستخط کئے۔ اسکی تفصیل ہم اشاعۃ السنۃ نمبر ۱ جلد ۹ میں کر چکے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی جو حدیث و قرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے اپنے ملک ہندوستان میں

انگریزون سے (جنکے امن و عہد مین رہتے تھے) انہین لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستون سے لڑے ہین۔ اس ملک سے باہر ہوکر قوم سکھون سے (جو مسلمانون کے مذہب مین دست اندازی کرتے تھے کیکو اونچے اذان نہین کہنے دیتے تھے) لڑے۔ اسکی تفصیل بھی آنریبل سید احمد خان صاحب سی۔ ایس۔ آئی کے رسالہ جواب ڈاکٹر ہنٹر سے اشاعۃ السنۃ نمبر ۱۰ جلد ۱۰ مین گذر چکی ہے۔

دوسرا نتیجہ ان مسایل اور ان کے دلایل سے یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعد علم ان مسایل کے کہ "مذہب اسلام مین اہل حرب کفار سے بھی دوستی و عہد جایز ہے اور عہد والون سے لڑنا حرام ہے اور جس ملک پر کفار مستلط ہو جائین اسکے وہ مالک ہو جاتے ہین اور کافرون کے ملک مین با امن رہکر یا امن جتاکر ان سے لڑنا اور غدر کرنا حرام ہے" بعض خیرخواہان گورنمنٹ کا مسلمانون پر یہ گمان کہ وہ جب کبھی قابو پائین گے گورنمنٹ پر تلوار چلائین گے اور جو ان مین مذہب کے پکے اور دعوے اسلام مین سچے ہین وہ اس کام مین سب سے پیش قدم نکلین گے محض بہتان ہے۔ اس گمان کے مرتکب مدعیان خیرخواہی سلطنت ان مسایل سے ناواقفی کے سبب یہ گمان رکھتے ہین تو اب وہ ان مسایل کو پڑھکر اس بدگمانی سے باز آئین۔ اگر وہ دیدہ و دانستہ ان پر یہ تہمت لگاتے ہین تو اس مین وہ اسقدر غور کرین کہ اس بدگمانی مین نہ صرف رعایا اہل اسلام کا ضرر ہے۔ بلکہ اسکا اثر و ضرر سلطنت کو بھی پہنچتا ہے۔ سلطنت کو رعایا سے

بدگمانی رہیگی تو وہ کب محل اعتماد اور مورد خاص عنایت سلطنت ہون گے۔ اور کیونکر کشادہ دلی اور جوش سے اپنا فرض اطاعت وامانت سلطنت کو ادا کرینگے اور سلطنت کے پاؤن بھی بے خدشہ و بے کھٹک کب جمین گے۔ کیا اچھا کہا گیا ہے ❊ ؎

رعیت چو بیخ ست سلطان درخت درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

ایسا ہی ایک اور شعر ہے ❊ ؎

مراعات دہقان کن از بہر خویش کہ مزدور خوشدل کند کار بیش

خیر خواہان ملک سلطنت اب بھی اس بدگمانی کو دماغ سے نکال ڈالین۔ اور رعایاء سلطنت کو باہم شیر وشکر ہو کر ملک مین امن قایم کر دینے دین ❊

مسئلہ ہشتم و نہم و دہم

(۸) کافر مسلمانوں کے مذہب مین مزاحم بھی ہون۔ اور ان کا ملک۔ حرب بھی ہو۔ اور ان سے کسی مسلمان رئیس یا رعایا کی دوستی و عہد بھی نہو۔ اور ان کے ملک و امن مین مسلمان رہتے نہ ہون۔ تو ان شرطون اور صورتون مین بھی ان سے جہاد تب ہی واجب وجایز ہے۔ کہ مسلمانون مین ایسی جمعیت حاصل یا جماعت موجود ہو جسمین انکو کسر شوکت اسلام کا خوف نہو۔ فتح و غلبہ اسلام کا ظن غالب ہو ❊

(۹) ان ہی شرطون اور صورتون مین ایک بڑی بھاری شرط شرعی جہاد کی یہ ہے کہ مسلمانون مین امام و خلیفہ وقت موجود ہو ؛

(۱۰) مسلمانون پر ایسی بھی مجبوری کی حالت جائز اور ممکن الوقوع ہے کہ نہ انکی کوئی جماعت ہو نہ ان کا کوئی امام و عہد اور وہ گناہگار نہون - اور تارک فرض قرار دیئے جائین شریعت قابل اطاعت دلیل خدا تعالی کا یہ قول ہے کہ خدا تعالی نے ایک کا دس سے مقابلہ کرنا تمکو معاف کردیا ہے - اب اگر تم مین ایک سو صابر اشخاص ہون تو وہ دو سو کفار سے غالب آسکتے ہین یعنے ایک سو دو سو کا مقابلہ کرے - اور یہ قول خداوندی کہ لڑنے والون کے لئے جہانتک طاقت رکھو تیر اندازی اور گھوڑے بہم پہنچاؤ جس سے تم اپنے اور خدا کے دشمن کو ڈراؤ ؛

الآن خفف الله عنكم وعلم ان فيكم ضعفا فان يكن منكم مائة صابرة يغلبوا مائتين وان يكن منكم الف يغلبوا الفين باذن الله والله مع الصابرين (انفال ع۹)

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم (انفال ع۹)

فتاوی عالمگیری مین جو حنفی مذہب مین ایک مشہور و معتبر فتاوی ہے لکھا ہے جواز عہد کے لئے دو شرطین ہین ایک یہ کہ دشمن اطاعت قبول نکرے - اور وہ مسلمانون سے عہد و امان مین بھی نہو - دوسری شرط یہ

اما شرط اباحة فشيئان احدهما امتناع العدو عن قبول ما ادعى اليه

من الدين وعدم الامان والعهد بيننا وبينهم۔ والثاني ان يرجو الشوكة والقوة لاهل الاسلام باجتهاده او باجتهاد من يعتقد في اجتهاده ورايه وان كان لا يرجو القوة والشوكة للمسلمين في القتال فانه لا يحل له القتال لما فيه من القاء نفسه في التهلكة۔ كذا في محيط السرخسي

(فتاوی عالمگیری)

ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة۔

(بقرہ ع ۲۳)

ہے کہ مسلمانوں کو اپنے غالب اور فتحیاب ہونے کی امید ہو۔ اور اگر مسلمانوں کو اپنی قوت اور شوکت کی امید نہ ہو تو پھر ان کو لڑنا اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے (یعنی جسکی نسبت قرآن میں یہ حکم ہے کہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو) ایسا ہی سرخسی کے محیط میں ہے۔

اور کفایہ حاشیہ ہدایہ میں ہے کہ جہاد کی شرط یہ ہے کہ جہاد کرنے والے صاحب وسعت ہوں اور دشمن کے دفع (مدافعت) کی طاقت رکھتیں۔ عجز و کمزوری کے ساتھ جہاد کا حکم نہیں ہے۔ ایسا ہی مستخلص شرح کنز میں ہے۔

والشرط في ذلك ان يكون القائمون به من اهل القدرة والدفاع لان التكليف لا يتاتى مع العجز۔

(كذا في الكفاية والمستخلص شرح كنز)

جہاد کے لئے امام کے موجود ہونے کی شرط پر یہ حدیث دلیل ہے جو بخاری و مسلم نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے کہ امام ڈھال

عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال انما الامام جنة يقاتل من ورائه ويتقى به (بخاری ۴۱۵ مسلم ۱۲۶)

ہے اسکی آڑ میں لڑیں اور اسکو اپنا بچاؤ بنائیں ۔

اس حدیث کی شرح میں امام نووی نے کہا ہے کہ امام مسلمانوں کے لئے آڑ یا پردہ

انما الامام جنة ای کالستر لانه يمنع العدو من اذی المسلمين ويمنع الناس بعضهم من بعض ويحمی بيضة الاسلام ويتقيه الناس ويخافون سطوته ومعنى يقاتل من ورائه ای يقاتل معه الكفار والبغاة والخوارج وسائر اهل الفساد والظلم مطلقاً۔ (شرح مسلم [illegible])

کی مثل ہوتا ہے مسلمانوں کو دشمنوں کی تکلیف سے بچاتا ہے ۔ اس کی آڑ میں لڑنے کے یہ معنے ہیں کہ اس کے ساتھ ہو کر کافروں سے (یعنے جو لڑنے کے لائق ہوں) اور باغیوں اور خارجیوں وغیرہ اہل فساد وظلم سے لڑیں ۔

اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں اس حدیث کی شرح میں کہا ہے ۔ کہ امام سے مراد خلیفہ وقت ہے یا جو اسکا تجویز کیا ہوا امیر ہو وہ سپر کی مانند ہوتا ہے ۔ جس کے

انما الامام ای الخليفة او اميره جنة بضم الجيم كالترس فهو تشبيه بليغ يقاتل بصيغة المجهول من ورائه وبكسر الميم يتقى به بيان لكونه جنة ای يكون امير فی الحرب قدام القوم ليستظهروا

آڑ میں لڑیں اور اس کو اپنا بچاؤ بناویں یہ اس کے سپر ہونے کا بیان ہے کیونکہ امام یا اس کا نائب امیر لڑائی میں قوم کے آگے ہوتا ہے ۔ لوگ اُسی کی مدد اور قوت سے لڑتے ہیں

ویحتمل تقویته کالترس المتترس فالاولی ان یحمل علی جمیع الاحوال لان الامام یکون ملجأً للمسلمین فی حوائجهم دائماً (مرقاۃ ملا علی قاری)	اور اگر اسکو ہر حال مین (لڑائی ہو یا نہو) سپر کہین تو بہتر ہے کیونکہ امام مسلمانون کا ان کے سب کامون مین جائے پناہ ہوتا ہے +

ایسا ہی شیخ عبدالحق نے شرح مشکوۃ مین کہا ہے اور مولوی محمد اسمٰعیل مرحوم دہلوی نے (جو گروہ اہلحدیث کے ایک بڑی ممبر تھے) رسالہ منصب امامت مین احکام خلیفہ راشد کے بیان مین کہا ہے وازانجملہ توقف عبادات شرعیہ بر تحقق امر او یعنی چنانکہ عبادات دینیہ وطاعات شرعیہ اگر مطابق سنت نبویہ باشد مقبول است و الا مردود ہمچنان صحت جمعہ و اعیاد و جہاد و حدود و تعزیرات ہمہ متوقف است بر امر امام قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انما الامام جنۃ یقاتل من ورایہ و یتقی بہ اور اس مسئلہ کی تائید ان عبارات مین بھی موجود ہے جو سوال آئندہ کے جواب مین منقول ہونگی جن مین صاف تصریح ہے کہ جہاد کرنا امام ہی کا کام ہے ۔

یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام جس کو اس حدیث مین جہاد کے لئے شرط ٹھہرایا گیا ہے کسکو کہتے ہین اور اس مین کن کن اوصاف و شروط کا پایا جانا اسلام و اہل اسلام نے ضروری قرار دیا ہے ۔ اور ان شروط و اوصاف کا آج اس زمانہ مین کسی حصہ زمین مین موجود ہے یا نہین +

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی کتابوں میں امامت کے دو قسم بیان ہوئے ہیں ایک چھوٹی امامت جو نماز کے پیش امام میں پائی جاتی ہے دوسری بڑی امامت جو خلیفہ وقت اور امام زمانہ میں پائی جاتی ہے۔ اس حدیث میں وہی امام مراد ہے جسمیں امامت قسم دوم پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں لڑائی کے آگے ہونا اور مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے بچانا امام کا کام بیان کیا گیا ہے۔ جو امام قسم اول کا کام نہیں ہے اس امام قسم ثانی کے لئے کتب فقہ وعقاید میں بہت سی شرطیں بیان ہوئی ہیں جو ایک مدت سے یک قلم مفقود ہیں۔ درمختار میں ہے۔ "امامت دو قسم ہے چھوٹی اور بڑی۔ بڑی امامت لوگوں پر عام تصرف واختیارات کے استحقاق کا نام ہے جسکی تحقیق علم کلام میں ہے۔ ایسے امام کے لئے یہ شرطیں ہیں کہ وہ مسلمان ہو۔ غلام نہو۔ مرد ہو۔ عورت یا بچہ نہو عقلمند صاحب قدرت ہو اور قریشی ہو۔ یہ شرط نہیں کہ وہ خاص ہاشمی یا علوی ہو اور معصوم ہو۔ چھوٹی امامت اس تعلق کا نام ہے جو نماز کی

باب الامامة هي صغرى وكبرى فالكبرى استحقاق تصرف عام على الانام وتحقيقه في علم الكلام ونصبه اهم الواجبات فلذا قدموه على دفن صاحب المعجزات ويشترط كونه مسلما حرا ذكرا عاقلا بالغا قادرا قرشيا لا هاشميا علويا معصوما . والصغرى ربط صلوة المؤتم بالامام (درمختار ص)

پیش امام کو مقتدیوں سے ہوتا ہے ۔

ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں ہے۔ مسلمانوں کے لئے ایسے امام کا ہونا

ان المسلمین لا بد لہم من امام یقوم بتنفیذ احکامہم واقامۃ حدودہم وسد ثغورہم وتجہیز جیوشہم واخذ صدقاتہم وقہر المتغلبۃ والمتلصصۃ وقطاع الطریق واقامۃ الجمع والاعیاد وتزویج الصغار والصغائر الذین لا اولیاء لہم وقسمۃ الغنائم ونحو ذالک من الواجبات الشرعیۃ التی لا یتولاہا احاد الامۃ ۔۔ ثم یشترط للامام ان یکون قرشیا لقولہ علیہ السلام الایمۃ قریش وہو حدیث مشہور ولیس المراد بہ الامامۃ فی الصلوۃ اتفاقا فتعینت الامامۃ الکبری خلافا للخوارج × × × × ولا یشترط ان یکون

ضروری ہے جو ان میں احکام اور حدود شرعی کو جاری کرے اور انکی سرحدوں کو محفوظ رکھے۔ اور انکے لشکر تیار کرے اور ان سے زکوٰۃ وغیرہ صدقات وصول کرے۔ اور ان پر غلبہ پانے والوں اور چوروں اور رہزنوں کو مغلوب کرے اور ایسے ہی اور امور جنکو عام لوگ نہیں کر سکتے۔ × × × × پھر امام کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ قریش ہو کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے آئمہ قریش سے ہوں یہ حدیث مشہور ہے۔ اور اسمیں نماز کا پیش امام بالاتفاق مراد نہیں ہے۔ لہذا اسمیں خلیفہ وقت کا مراد ہونا متعین

الامام هاشمیاً او علویاً او معصوماً × × × ویشترط ان یکون من اهل الولایة المطلقة الکاملة بان یکون مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً سائساً لقوة رایه ورویته بالقدرة ومعونة بأسه وشوکة قادراً بعلمه وعدله وکفایته وشجاعته علی تنفیذ الاحکام وحفظ حدود دار الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم عن حدث المظالم۔

(شرح فقه اکبر صـ ١١٦)

وسلم ہوا۔ اسکا ہاشمی یا علوی یا معصوم ہونا شرط نہیں۔ اور اس میں یہ شرط ہے کہ وہ عام اور کامل اختیارات کے لائق ہو یعنے مسلمان ہو۔ غلام نہو۔ مرد ہو۔ بچہ یا عورت نہو۔ صاحب سیاست وتدبیر وفکر وشوکت وقدرت ہو۔ اپنے علم وشجاعت عدالت سے احکام جاری کرنے اور حدود اسلام کے محفوظ رکھنے اور ظالم سے مظلوم کا حق دلانے پر قادر ہو ×

اور شرح مواقف میں ہے جمہور علماء اسپر ہیں کہ امامت کا مستحق وہ شخص ہے جسمیں شروط ذیل پائی جاویں

المقصد الثانی فی شروط الامامة الجمهور علی ان اهل الامامة ومستحقها من هو مجتهد فی الاصول والفروع لیقوم بامور الدین متمکن من اقامة الحجج وحل الشبهة فی العقاید الدینیة

اول یہ کہ وہ مسائل اصول وفروع میں خود مجتہد ہو جس سے وہ امور دین کو قائم رکھ سکے اور دینی عقاید پر دلائل قائم کر سکے اور شبہات جو لوگوں کو عقاید اسلام میں پیدا ہوں دور

مستقلا بالفتوى في النوازل والاحكام والوقائع نصًّا واستنباطًا لان اهم مقاصد الامامة حفظ العقايد وفصل الحكومات ورفع المخاصمات ولن يتم بدون هذا الشرط وراي وبصارة بتدبير الحرب والسلم وترتيب الجيوش وحفظ الثغور ليقوم بامور الملك شجاع قوي القلب ليقوى على الذب على الحوزة والحفظ لبيضة الاسلام بالثبات في المعارك كما روي انه عليه الصلوٰة والسلام وقف بعد انهزام المسلمين في الصف قائلا انا النبي لا كذب + انا ابن عبد المطلب * ولا سهولة ايضاً في اقامة الحدود وضرب الرقاب و قيل لا يشترط في الامامة هذه الثلاث لانها لا توجد الصفات الآن مجتمعة

کر سکے ۔ اپنے آپ احکام و حوادث میں فتویٰ دے ۔ نص قرآن و حدیث سے خواہ اپنے اجتہاد و استنباط سے کیونکہ عقاید اسلام کی محافظت اور فصل خصومات و انفصال مقدمات امام کے فرائض سے اہم انتہا درجہ مقصود فرض ہے جو بلا وجود شرط اجتہاد پورا نہیں ہو سکتا ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ملکی و پولیٹیکل معاملات میں صاحب رائے ہو اور لڑائی و صلح و آراستگی لشکر و محافظت حدود کی تدبیروں سے واقف ہو جس سے وہ ملکی انتظام کر سکے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ دل کا بہادر ہو جس سے وہ ممالک اسلام سے دشمن کو ہٹا سکے اور جماعت اسلام کی اپنی ثابت قدمی سے حفاظت کرے جیسا کہ آنحضرت صلعم سے منقول ہے کہ میدان

واذا لم یوجد لذلک فاما ان یجب نصب فاقدها فیکون اشتراطها عبثا لتحقق الامامة بدونها او یجب نصب واجدها فیکون تکلیفا بما لا یطاق۔ نعم یجب ان یکون عدلا فی الظاهر لئلا یجور فان الفاسق ربما یصرف الاموال فی اغراض نفسه فیضیع الحقوق عاقلا لیصلح للتصرفات الشرعیة والملکیة بالغا لقصور عقل الصبی ذکرا اذ النساء ناقصات العقل والدین حرا لئلا یشغله خدمة السید عن وظائف الامامة ولئلا یحتقر فیعصی فان الاحرار یسترذلون العبید ویستنکفون عن طاعتها فهذه الصفات الثمانی والخمس شروط معتبرة فی الامامة بالاجماع وفیه اشارة الی ان القول بعدم اشتراط الثلث الاول مما لا یلتفت الیه۔

جنگ سے لوگوں کے بھاگ جانے کے بعد آپ تنہا کھڑے رہتے اور یہ فخریہ اور بہادرانہ کلمات فرماتے تھے میں نبی ہوں اسمیں جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں اور نیز شرعی حدود (سزاؤں) کا قائم کرنا اور قصاص ومعاملہ میں مجرموں اور ظالموں کی گردن مارنا کوئی ہلکا کام نہیں جسکو بزدل کر سکے۔ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ امام میں ان تین شرائط کا وجود ضروری نہیں کیونکہ یہ صفات اسوقت اکٹھی کسی شخص میں پائی نہیں جاتیں پھر اگر ان شرائط سے معرا امام کا مقرر کرنا واجب ٹھہرایا جائے تو ان شروط کا اعتبار عبث ہوتا ہے اور اگر ان شرائط کا جامع امام کا مقرر کرنا واجب ٹھہرایا جائے تو یہ ایک ایسے امر کو واجب ٹھہراتا ہے

وهنا صفات اخرى فى اشتراطها
خلاف الاول ان يكون قرشيا اشترطه
الاشاعرة والجبائيان ومنعه الخوارج
وبعض المعتزلة لنا قوله عليه السلام
الائمة من قريش ثم ان الصحابة
عملوا بمضمون هذا الحديث فان ابابكر
استدل به يوم السقيفة على الانصار
حين نازعوا فى الامامة بمحضر من
الصحابة فقبلوه واجمعوا عليه
فصار دليلا قاطعا يفيد اليقين
باشتراط القرشية احتج المانعون
من اشتراطها بقوله عليه السلام السمع
والطاعة ولو عبدا حبشيا فانه يدل
على ان الامام قد لا يكون قرشيا ۔
قلنا ذلك الحديث فى امرة الامام
اى جعله اميرا على سرية او على غيرها
كناحية ويجب حمله على هذا دفعا للتعارض

جو طاقت سے باہر ہے۔ ثانی بجائے
ان شرائط کے شرائط ذیل کا اعتبار ضرور
ہے (۱) بحسب ظاہر عادل ہو کیونکہ
فاسق (ظالم) لوگوں کے مال اخراجات
فاسدہ میں صرف کرتا ہے اور حقوق کو
تلف کرتا ہے (۲) وہ عاقل ہو جو
شرعی اور ملکی تصرفات کی لیاقت رکھے
(۳) وہ حد بلوغت کو پہنچا ہو کیونکہ لڑکے
کی عقل ناقص ہوتی ہے (۴) وہ عورت
نہو کیونکہ عورتیں عموماً ناقص العقل ہوتی
ہیں (۵) وہ آزاد ہو۔ کیونکہ غلام
اپنے مالک کی خدمت سے فارغ نہیں
ہوتا تو وہ خلافت کا کام کیونکر کرے گا
یہ صفتیں (پہلی تین ملا کر) آٹھ یا
صرف آخری پانچ بالاتفاق امامت
کی شرائط ہیں۔ مصنف کے اس
قول میں یہ اشارہ ہے کہ پہلی تین کو

بینه وبین الاجماع او نقول هو مبالغة علی سبیل الفرض ویدل علیه انه لا یجوز کون الامام عبدا اجماعاً الثانیة من تلك الصفات ان یکون هاشمیا شرط الشیعة ۔ الثالثة ان یکون عالما بجمیع مسائل الدین اصولها و فروعها بالفعل لا بالقوة وقد شرط الامامیة الرابعة ظهور المعجزة اذ به یعلم صدقه فی دعوی الامامة و العصمة وبه قال الغلاة ویبطل هذه الثلثة واشتراطها فی الامامة انا ندل عنقریب علی خلافة ابی بکر رضی الله عنه وکونه اماما حقا و لا یجب شیء مما ذکر من تلك الاوصاف فان کونه هاشمیا ممتنع والاخیران لا یجبان له اجماعاً الخامسة ان یکون معصوما شرطه الامامیة والاسماعیلیة

شرط نہ ٹھہرانا لائق التفات نہیں ہے ۔ خلافت میں بعض صفات ایسی ہیں جنکے شرط ہونے میں بعض لوگوں کو اختلاف ہے پہلی شرط خلیفہ کا قریشی ہونا اشاعرہ اسکو شرط ٹھہراتے ہیں ۔ خارجی اور بعض معتزلی اس کے انکاری ہیں ۔ ہماری دلیل شرط ہونے پر آنحضرتؐ کا یہ قول ہے کہ امام قریش سے ہونے چاہئیں ۔ پھر اس قول آنحضرتؐ پر آنحضرت کے اصحاب نے عمل کیا ہے جبکہ سقیفہ کے دن انصار نے امامت میں جھگڑا کیا تھا تو حضرت ابوبکر نے اس قول سے تمسک کیا جسکو سب نے تسلیم کر لیا اور اسپر اتفاق کیا یہ اتفاق اثبات پر یقینی دلیل ہے کہ قریشی ہونا شرط خلافت ہے جو لوگ اس شرط کو نہیں مانتے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ

ونبطله بان ابابکر لا یجب عصمته
اتفاقاً مع ثبوت امامته
(شرح مواقف [illegible]

لئے حکم دیا ہے کہ امیر یا حاکم کا حکم مانو اگرچہ وہ حبشی غلام ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی امام قریشی نہیں بھی ہوتا

اسکے جواب میں ہم کہتے ہیں یہ حدیث اس حاکم یا امیر کی نسبت ہے جسکو قریشی امام وقت نے کسی لشکر یا کسی جگہ کا امیر بنا دیا ہو اس حدیث کے یہی معنے کرنا چاہئے تاکہ اس حدیث میں اور اُن احادیث میں جو قریش کو امامت کے لئے مخصوص کرنے میں تعارض نہ ہو یا یوں کہیں کہ یہ فرضی طور پر مبالغۃً کہا گیا ہے یعنے کہ حقیقۃً غلام بالاتفاق امام نہیں ہو سکتا - دوسری شرط اختلافی امام کا ہاشمی ہونا ہے اسکو شیعہ شرط ٹھہراتے ہیں تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مسائل اصول و فروع کو بطور مجتہد جانتا ہو صرف ملکہ رکھتا ہو - امامیہ نے یہ چوتھی بھی شرط کی ہے کہ امام صاحب معجزہ ہو جس سے انکے دعوی کی تصدیق ہو - ان شروط کے ناجائز ہونے پر دلیل ہے کہ ہم عنقریب صدیق اکبر کی خلافت بدلائل ثابت کرینگے جنمیں یہ شرطیں پائی نہیں گئیں - پانچویں شرط یہ ہے کہ امام معصوم ہو - یہ شرط امامیہ اور اسماعیلیہ نے لگائی ہے اور اسکا ابطال بھی اس سے ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت بدلائل ثابت ہے اور وہ معصوم نہ تھے ؛

شرح مقاصد میں بھی ان شروط و صفات امامت کو تسلیم کیا ہے اور اسپر

فان قیل لو وجب نصب الامام لزم اطباق الامة فی اکثر الاعصار علی ترک الواجب لانتفاء الامام المتصف بما یجب من الصفات سیما بعد انقضاء الدولة العباسیة واللازم منتف لان ترک الواجب معصیة وضلالة والامة لا تجتمع علی الضلالة قلنا انما یلزم الضلالة لو ترکوه عن قدرة واختیار لا عجز واضطرار (شرح مقاصد)

یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ ایسی صفات کا امام تو ایک مدت سے جب سے کہ خلفاء عباسیہ کی خلافت تمام ہوئی ہے مفقود ہو چکا ہے پھر اگر ایسے امام کا مقرر کرنا مسلمانوں پر واجب ہے تو امت محمدیہ کا تارک واجب اور گنہگار ہونا لازم آیا۔ پھر اسکا انہیں جواب دیا ہے کہ امت کا گنہگار یا تارک واجب ہونا تب لازم آتا جبکہ وہ قدرت واختیار کے ساتھ امام مقرر نہ کرتے جب وہ ایسے امام کے مقرر کرنے سے عاجز و ناچار ہیں تو وہ تارک واجب و گنہگار کیونکر ہو سکتے ہیں *

اس زمانہ میں ایک عالم اہلحدیث ابو حفص محمد بن ابی احمد المدنی الحسینی نے ایک کتاب موسوم بحسن المساعی الی نصح الرعیۃ والراعی احکام امام ورعیت میں تالیف کی ہے جو سنہ ۱۳ مطابق ۹۵ء کو بھوپال یا آگرہ میں طبع ہو کر شائع ہوئی ہے اسمیں بھی اسکی تفصیل ہے شروط امامت کو بیان کیا اور دلائل قرآن حدیث سے ان کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

ایساہی اور متکلمین ومحدثین متقدمین ومتاخرین نے ان شروط کو بیان کیا ہے اور عقلی ونقلی دلایل سے اسکا ثبوت دیا ہے۔ علی الخصوص قریشی ہونے امام کی شرط کہ اس کی ثبوت پر کتب حدیث میں بہت زور دیا گیا ہے۔ لہذا ہم بھی اسکی تائید میں چند احادیث واقوال محدثین کو نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ نے آپ سے نقل کیا ہے۔ (١) امام (خلفا) قریش سے ہونگے یا ہونے چاہئیں۔ اور آپ نے فرمایا (٢) ہے چنانچہ ابوہریرہ نے نقل کیا ہے (٣) ملک یعنی خلافت چنانچہ عتبہ بن عبدان کی روایت میں آیا ہے قریش کے لئے ہے اور (۴) آپ نے فرمایا ہے (چنانچہ حضرت علی مرتضی نے روایت کیا ہے) امیر قریش سے ہیں (یا ہونے چاہئیں) نیکوکار نیکوں کے لئے بدکار بدکاروں کے لئے۔ (۵) اور آپ نے فرمایا ہے (چنانچہ ابوہریرہ رض نے آپ سے نقل کیا ہے کہ لوگ اس

(١) الایمة من قریش (امام احمد طبرانی ابو یعلی)

(٢) الملک فی قریش (ترمذی)

(٣) الخلافة فی قریش (امام احمد)

(۴) الامراء من قریش ابرارها امراء ابرارها وفجارها امراء فجارها (البزار) (تاریخ الخلفاء شیخ جلال الدین سیوطی شافعی)

(۵) الناس تبع لقریش فی هذا الشان مسلمهم لمسلمهم وکافرهم لکافرهم (صحیح مسلم صـ۱۱۹ جلد ۲)

(٦) لایزال هذا الامر فی قریش ما بقی

من الناس اثنان۔ (مسلم [illegible] و بخاری [illegible] واللفظ لمسلم)

(۷) ان هذا الامر فی قریش لا یعادیهم احد الا کبه الله علی وجهه ما اقاموا الدین (بخاری [illegible])۔

امر (خلافت) میں قریش کے تابع ہیں۔ مسلمان مسلمانوں کے کافر کافروں کے

(۶) اور آپ نے فرمایا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر نے نقل کیا ہے یہ امر (خلافت) ہمیشہ قریش کے لئے رہے گا (یعنی) وہی اسکے مستحق ہوں گے جبتک کہ دو آدمی بھی دنیا میں رہیں۔

(۷) اور آپ نے فرمایا ہے (چنانچہ امیر معاویہ نے آپ سے نقل کیا ہے) یہ امر (خلافت) قریش میں رہے گا۔ جو کوئی ان سے دشمنی (یا مقابلہ) کریگا خدا اسکو منہ کے بل ڈالے گا جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں گے۔

هذه الاحادیث واشباهها دلیل ظاهر ان الخلافة مختصة بقریش لا یجوز عقدها لاحد من غیرهم وعلی هذا انعقد الاجماع فی زمن الصحابة وکذلک بعدهم ومن خالف فیه من

صحیح مسلم کی شرح میں امام نووی نے فرمایا ہے یہ حدیثیں اور جو انکی مثل ہیں اسبات پر دلیل ہے کہ خلافت قریش سے مخصوص ہے بجز قریش کسی کے لئے عقد خلافت جائز نہیں ہے اسپر صحابہ کے زمانہ میں اور ان کے بعد اجماع ہو چکا ہے اور جس نے اہل بدعت (خوارج و معتزلہ) سے اسمیں اختلاف کیا ہے وہ اجماع صحابہ و تابعین احادیث صحیحہ سے مغلوب ہے قاضی عیاض نے فرمایا ہے کہ امام کے قریشی

اهل البدع او عرض بخلاف من غيرهم فهو محجوج باجماع الصحابة والتابعين فمن بعدهم بالاحاديث الصحيحة قال القاضي اشتراط كونه قرشيا هو مذهب العلماء كافة قال وقد احتج به ابوبكر وعمر على الانصار يوم السقيفة فلم ينكره احد قال القاضي وقد عدها العلماء في مسائل الاجماع ولم ينقل عن احد من السلف فيها قول ولا فعل يخالف ما ذكرنا وكذلك من بعدهم في جميع الاعصار قال ولا اعتداد بقول النظام ومن وافقه من الخوارج واهل البدع انه يجوز كونه من غير قريش ولا بسخافة ضرار بن عمرو في قوله ان غير القرشي من النبط وغيرهم يقدم على القرشي لهوان خلعه ان عرض منه امر وهذا الذي قاله من

ہونے کی شرط تمام علماء کا مذہب ہے اس سے ابوبکر صدیق نے سقیفہ کے دن استدلال کیا تو کسی نے اسکو رد نہیں کیا قاضی عیاض نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ کو علماء نے اجماعی مسائل سے شمار کیا ہے اور سلف و خلف سے اسکا مخالف کوئی قول یا فعل منقول نہیں ہوا۔ اور فرمایا ہے کہ نظام (معتزلی) اور اسکے ہم مذہب خارجیوں اور بدعتیوں کے اس قول کا کہ غیر قریش بھی امام ہو سکتا ہے :: کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اور ضرار بن عمرو کی اس حماقت کا اعتبار ہے جو اسکے اس قول میں پائی جاتی ہے کہ غیر قریش (نبطی وغیرہ) امام ہو تو وہ قریش سے مقدم ہے۔ کیونکہ اسکو خلافت سے برطرف کرنا آسان ہوتا ہے جب اس سے کوئی امر

باطل القول وزخرفه مع ما هو عليه من مخالفة اجماع المسلمين ۔ والله اعلم (شرح مسلم نووی ص۱۱۹ جلد۲)

موجب برطرفی سرزد ہوا اسکا یہ قول باطل ہے اور لچر اور تمام مسلمانوں کے برخلاف ہے۔"

عمدۃ القاری اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ امام قرطبی نے

قال القرطبي هذا الحديث خبر عن المشروعية اي لا تنعقد الامامة الكبرى الا لقريشي مهما وجد منهم احد ۔ فكانه جنح الى انه خبر بمعنى الامر (عینی و فتح الباری)

فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم کا یہ قول کہ خلافت قریش میں رہیگی خلافت کے حکم شرعی کا بیان ہے کہ بجز قریش خلافت کسی کے لئے صحیح ہوگی جب تک کہ کوئی ایک ان میں سے موجود رہے گا۔ ان کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس خبر کے معنے امر ہونے کیطرف مائل ہوئے ہیں۔"

اس تفصیل سے ناظرین کو بخوبی معلوم ہوگا کہ امام جسکو اس حدیث میں شرط جہاد یا سپر ٹھیرایا گیا ہے کسکو کہتے ہیں اور اس میں کن کن شرائط و اوصاف کا ہونا ضروری ہے ۔ اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوگا کہ ایسا امام آجکل کیا ایک مدت سے روی زمین سے مفقود ہے اور آیندہ بھی بنظر ظاہر اسباب و حالات اسکا موجود ہونا مشکل نظر آتا ہے گو خداوند کریم کی قدرت میں سب کچھ ہے ۔

مسلمانون کے بحالت ناچاری بلا امام رہنے اور مہتدا گناہ گار یا ناقص الایمان نہونے پر دلیل یہ حدیث ہے جو امام بخاری نے اپنی کتاب مین اس عنوان کہ جب مسلمانون کی کوئی جماعت نہ ہو اُسکے باب مین حذیفہ سے نقل کی ہے کہ انہون نے فرمایا۔ لوگ آنحضرت صلعم سے بھلائی کا حال پوچھتے تھے مین آپ سے بُرائی کا حال پوچھتا رہتا اس ڈر کے مارے کہ وہ بُرائی مجھے نہ آلگے مینے پوچھا یارسول اللہ ہم ایک زمانہ جاہلیت (کفر) اور بُرائی مین رہے۔ پھر خدا تعالے یہ خیر (اسلام) لایا اس خیر کے بعد بھی بُرائی آنے والی ہے؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہان مینے عرض کیا اس بُرائی کے بعد بھی خیر آئیگی آپ نے فرمایا ہان پر اسمین دہندلاپن ہوگا۔ مینے عرض کیا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایسی قوم پیدا ہوگی جو میری راہ کے بغیر اور راہ چلیگی۔ ان مین تم

باب کیف الامر اذا لم تکن جماعة حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا الولید بن مسلم قال حدثنا ابن جابر قال حدثنی بسر بن عبید الله الحضرمی انه سمع حذیفة بن الیمان یقول۔ کان الناس یسئلون رسول الله صلے الله علیه وآله وسلم عن الخیر وکنت اسئله عن الشر مخافة ان یدرکنی فقلت یا رسول الله صلعم انا کنا فی جاهلیة وشر فجاءنا الله بهذا الخیر فهل بعد هذا الخیر من شر قال نعم قلت وهل بعد ذلك الشر من خیر قال نعم وفیه دخن قلت وما دخنه

قال قوم یہدون بغیر ھدیی تعرف
منہم وتنکر قال قلت فہل بعد ذلک
الخیر من شر قال نعم دعاۃ علی
ابواب جہنم من اجابہم الیہا قذفوہ
فیہا قلت یا رسول اللہ صفہم لنا قال
ہم من جلدتنا ویتکلمون بالسنتنا
قلت فما تامرنی ان ادرکنی ذلک قال
تلزم جماعۃ المسلمین وامامہم قلت فان
لم یکن لہم جماعۃ ولا امام قال فاعتزل
تلک الفرق کلہا ولو ان تعض باصل
شجرۃ حتی یدرکک الموت وانت
علی ذلک۔ (صحیح بخاری ص۱۰۴۹
صحیح مسلم ص۱۲۷ جلد۲ وغیرہ

اچھی باتیں بھی پاؤگے بُری بھی میں نے
عرض کیا اس خیر کے بعد بھی برائی
ہوگی آپ نے فرمایا ہاں دوزخ کے
دروازہ پر بلانے والے لوگ ہونگے
جسنے ان کا کہنا مانا اسکو وہ جہنم میں
پھینک دینگے - میں نے عرض کیا یارسول
اللہ آپ ان کا کچھ حال بیان فرماویں
آپ نے فرمایا وہ ہم میں سے ہونگے
اور ہماری ہی بولی بولیں گے اپنے
کلمۂ الاسلام کہیں گے میں نے عرض
کیا یارسول اللہ آپ کیا حکم دیتے ہیں
اگر مجھ پر وہ دن آوے آپ نے فرمایا
تم مسلمانوں کی جماعت اور امام کے ساتھ
ہو جاؤ - میں نے عرض کیا یارسول اللہ اگر کوئی جماعت اور امام نہ ہو تو آپ نے
فرمایا کہ پھر سب فرقوں سے کنارہ ہو جائیو اگرچہ درخت کی جڑ دانت سے
کاٹ لینے کھانے کے لئے بجز درخت کچھ نہ ملے اسی پر رہیو یہانتک کہ
تجھے موت آپہنچے ۔

مسئلۂ ہفتم و نہم و دہم کے نتائج

(۱) اکثر اوقات جو بعض ناواقف مسلمان بلا جمعیت و سامان سو پچاس بلکہ دس بیس بلکہ دو چار آدمی ملکر اپنے سے وہ چند مخالفین مذہب پر حملہ کرتے ہین ۔ اور اپنی کمی اور بے سامانی کے سبب شکست کھا کر پس پا ہوتے ہین اور بعض اسی مین مارے جاتے ہین ان کا یہ فعل جہاد نہین ہے سراسر فساد ہے خواہ اس مین باقی شروط جہاد موجود بھی ہون اور کوئی مانع منجملہ موانع مذکورہ سابق متحقق نہو ۔

بعض سرحدی نادان ناواقف از احکام اسلام و قرآن تن تنہا ایک سیر آٹا یا ستو باندھ کر غازی یا شہید ہونے کی نیت سے چل پڑتے ہین اور کسی کیمپ یا چھاونی انگریزی مین پہنچکر کسی افسر یا فوجی ملازم کو مار ڈالتے ہین پھر اسکی سزا مین پھانسی پاتے ہین یہ اور بھی فساد و بغاوت اور عناد ہے ۔ ایسی صورتون سے اپنی جان کو ہلاک کرنا حرام موت مرنا ہے ۔ اور بہشت کی خوشیون سے محروم رہنا ۔ اور ایسے فسادون کو جہاد سمجھنا اور اسمین شہادت کی ہوس کرنا سراسر جہالت و حماقت ہے ۔

(۲) شرعی جہاد تب ہی مفقود ہے جب سے شرعی امامت و خلافت دنیا سے مفقود ہوئی ہے ۔ بناءً علیہ پچھلے سلاطین اسلام (جو قریشی نہ تھے اور نہ دوسری

شرائط و اوصاف امامت ان مین پائے جاتے تھے انکی لڑائیون کو جو بنام نہاد جہاد انہون نے کین ہین شرعی جہاد نہین کہا جا سکتا +

یہ نتیجہ فقہاء و محدثین متقدمین و متاخرین مین مسلّم ہے - گو اس کی دلیل انہون نے یہ بیان کی ہے کہ ان کی غرض اس جہاد سے وہ نہ تھی جو شرعی جہاد سے غرض ہے - (دیکھو تاریخ عجائب المقدر تاریخ الخلفا - رسالہ منصب امامت مولوی محمد اسمعیل مرحوم دہلوی اور بدر طالع قاضی محمد بن علی شوکانی وغیرہ تصانیف متقدمین و متاخرین)

ان دو نتیجون سے یہ ایک اور نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین بھی شرعی جہاد کی کوئی صورت نہین ہے - کیونکہ اسوقت نہ کوئی مسلمانون کا امام موصوف بصفات و شرائط امامت موجود ہے اور نہ ان کو ایسی شوکت و جمعیت حاصل ہے جس سے وہ اپنے مخالفون پر فتحیاب ہونے کی امید کر سکین +

ہم جب کبھی بعض اخبارات مین یہ خبر دیکھتے ہین کہ سلطنت روم یا ریاست افغانستان وغیرہ بلاد اسلام سے جہاد کا اشتہار دیا گیا ہے تو ہمکو سخت تعجب ہوتا ہے اور اس خبر کا یقین نہین آتا - اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسوقت روئے زمین امام کہان ہین جسکی پناہ مین اور اسکے امر و اجازت سے مسلمان جہاد کر سکین اور ایسی جمعیت و شوکت کسکو میسر ہے جس سے وہ اپنے دشمنون اور مخالفون

فتحیاب ہونے کی امید رکھیں ۔

(۳۳) مسلمانوں کی موجودہ حالت کہ انمین نہ کوئی امام ہے اور نہ جمعیت سامان جہاد انکو حاصل ومیسر ہے" بالکل قابل اطمینان ہے علی الخصوص حالت مسلمانان ہند (جنکو موجودہ سلطنت کے ظل حمایت مین مذہبی آزادی پوری حاصل ہے) اور بھی طمانیت بخش ہے اس حالت پر نہ مسلمانوں کو اپنے دین کے نقصان یا گناہ کا خوف کرنا چاہئے اور نہ ان کے حاکم وقت برٹش گورنمنٹ کو ان کی طرف سے یہ خوف رکھنا چاہئے کہ وہ اپنی اس حالت کو نقصان وگناہ کی حالت سمجھکر اس حالت کو بدلانے اور اپنے لئے کوئی امام یا سامان جہاد بہم پہنچانے مین سعی کرین گے ۔ اور کبھی نہ کبھی گورنمنٹ کے مخالف ہوجائین گے ۔ یہ خوف ویقین کا اسوقت بجا تھا جبکہ جہاد اسلام کا اصلی فرض ہوتا اور تقرر امام کے سوا مسلمانوں کا اسلام صحیح یا کامل نہوتا ۔

اور جبکہ ان باتوں کی اس رسالہ مین اول واخیری مسئلہ مین بخوبی نفی ہوچکی ہے تو اس خوف کا مسلمانوں یا گورنمنٹ کو کونسا موقع ومحل ہے ۔

یہ مسئلہ جہاد کے متعلق اسلام واہل اسلام کے علمی خیالات ہین ۔ رہی ان کے عملی حالات اور تاریخی واقعات کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام اور ان کے پیروان کرام کا عمل ان خیالات کے مطابق کیونکر رہا ہے ۔ اور ان کی لڑائیون اور چڑہائیون مین ان شروط ومسایل کا تحقق کیونکر ہوا ہے اسکی تفصیل ہم اس

رسالہ کے دوسرے حصہ مین کرینگے ۔ اگر توفیق الٰہی رفیق ہوئی ◆

ان مسایل عشرہ سے جو اس حصہ مین بیان ہوئی ہین ہماری وہ دو غرضین جنکو ہم شروع رسالہ مین بیان کر چکے ہین بخوبی حاصل ہونگے ۔

نا واقف مسلمانون کو ان مسایل کے پڑھنے سے یہ علم ہوگا کہ جہاد کی بنا صرف مذہبی مخالفت پر نہین ہے اور ہر ایک مخالف مذہب سے بلا تحقیق شروط جہاد جائز نہین ۔ علی الخصوص ان مخالفین مذہب سی جنکے ظل حمایت مین مسلمان رہین یا ان کے ساتھ ملکر باامن عمر بسر کرین ◆

اور اقوام غیر کو اگر وہ اس رسالہ کو انصاف سے پڑھین یہ یقین ہوگا کہ صرف مخالفت مذہبی سے مخالفین مذہب سے لڑنا ۔ اور انکو زبردستی مسلمان بنانا اور بزور شمشیر اسلام پھیلانا اور سلطنت مخالف مذہب کی اطاعت سے خارج ہوجانا اور سلطنت غیر مذہب کے زیر سایہ رہکر اسکی بغاوت کا خیال دلمین لانا وغیرہ وغیرہ اسلام و سچے پیروان اسلام کا کام نہین ہے ۔

ہم علماء مذاہب غیر سے جو اسلام کی نسبت ایسے خیالات ظاہر فرما چکے ہین بکمال ادب و اخلاص درخواست کرتے ہین کہ وہ اس حصہ رسالہ کو غور و انصاف سے ملاحظہ فرماوین پھر اگر اسکو حق و راستی پر مبنی پاوین تو اسکی تصدیق و تسلیم سے ہمکو اپنا ممنون بناوین اور اگر اسمین کوئی غلطی پاوین تو ہمکو اسپر آگاہ کرین فقط

ناشر مکتبہ الجمال چک ۱۴۱/۱۰ـر تحصیل خانیوال ڈاکخانہ جہانیاں منڈی ضلع ملتان سے